خطبات محمود

"ملاوی" کے بیانات کا مجموعہ

جلد: ۷

افادات

حضرت مولانا مفتی محمود ابن مولانا سلیمان حافظ جی بارڈولی دامت برکاتہم

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک گجرات ہند

ناشر نورانی مکاتب

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ.

خطباتِ محمود

جلد: ۷

افادات

مفتی محمود بن مولانا سلیمان حافظ جی بارڈولی دامت برکاتہم

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک

ناشر

نورانی مکاتب

www.nooranimakatib.com

تفصیلات

نام کتاب: .... خطباتِ محمود (جلد ہفتم)

افادات: .... مفتی محمود صاحب بارڈولی دامت برکاتہم

صفحات: ۲۵۶

ناشر: .... نورانی مکاتب

ملنے کے پتے

مولانا یوسف صاحب آسنوی، سملک، آسنا۔98240,96267

Email id: yusuf_bhana@hotmail.com

ادارۃ الصدیق ڈابھیل، گجرات۔99048,86188 \ 99133,19190

الامین کتابستان دیوبند، یوپی۔01336,221212

الحاج اسعد الواجدی دیوبند، زم زم بک ڈپو۔Mo.09359229903

جامعہ دارالاحسان، بارڈولی، سورت، گجرات

جامعہ دارالاحسان، نواپور، نندوربار، مہاراشٹر

اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست

﴿۲﴾ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی حقیقت: قسطِ دوم

﴿۳﴾ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی حقیقت: قسطِ سوم

﴿۷﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کا مبارک واقعہ:

قسطِ دوم

تقریظ

از

شیخِ طریقت حضرت مولانا قمرالزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزم مولانا مفتی محمود صاحب بارڈولی سلّمہٗ کے خطباتِ محمود کو کسی قدر پڑھنے کا موقع نصیب ہوا، ماشاء اللہ مردوں، عورتوں، جوانوں، لڑکوں، لڑکیوں کو بڑی محبت وشفقت سے دین کی باتوں کو سمجھانے کی سعی بلکہ جد وجہد کی ہے، جوان شاء اللہ آپ کے خلوص کی برکت سے ضرور مفید ثابت ہوگی اور اللہ جل شانہ کے نزدیک مقبول ہوگی، دل سے اس کے لیے دعا گو ہوں۔

الحمدللہ! آپ سے متعدد بار ملاقات ہوئی ہے اور مل کر مسرت ہوتی ہے، اللہ آں عزیز کو مزید صلاح وصلاحیت سے مشرف فرمائے۔ آمین

اور اپنی نسبت ومعرفت سے نوازے۔ آمین

اس زمانے میں خاص طور سے اصلاحِ معاشرہ کی ضرورت ہے؛ اس لیے کہ اعدا اسی کے درپے ہیں کہ باہمی معاشرہ اسلامی نہ رہنے پائے؛ اس لیے ہم سب کو اس بات کے لیے کوشاں رہنا چاہیے کہ غیر اسلامی معاشرہ کا زہر ہمارے معاشرہ میں سرایت نہ کر جائے؛ مگر افسوس کہ! عوام تو عوام خواص بھی اس کی طرف توجہ نہیں کر رہے ہیں؛ بلکہ بہت سے لوگ غیروں ہی کے ہم نوا ہیں، العیاذ باللہ تعالیٰ!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے خطبات سے اصلاحِ معاشرہ ہواور اسلامی معاشرہ کاظہور ہو۔وماذلك على الله بعزيز.

والسلام

(حضرت مولانا)محمد قمرالزماں الہ آبادی(دامت برکاتہم العالیہ)

۲۶/شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

پیش خدمت

بسم الله الرحمن الرحیم

اپنی عادت کے مطابق خطبات کی ساتویں جلد کا اجر وثواب میرے دو مشفق، مرحوم اساتذہ کی روح کو ایصال کرتا ہوں:

(۱) استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ: شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند۔

الحمدللہ! حضرت مرحوم سے بخاری شریف کا کچھ حصہ پڑھنے کی اور حدیث شریف کی اجازت لینے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

شیخ نصیر صاحبؒ میرے بہت سے دوسرے اساتذہ کے بھی استاذ تھے، مثلاً: حضرت شیخ الحدیث مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ العالی، حضرت شیخ الحدیث مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی، ان کے بھی استاذ ہوتے تھے۔

مرحوم بہت ہی خوب صورت، پر رونق چہرہ اور باوقار شخصیت کے حامل تھے اور بولنے کا بھی ایک خاص انداز تھا۔

اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت فرمائے، آمین۔

دارالعلوم دیوبند کے میرے شناختی کارڈ پر بھی آں مرحوم ہی کے دستخط تھے۔

(۲) حضرت مولانا حافظ قاری رشید احمد بزرگ سملکی رحمۃ اللہ علیہ۔

میرے فارسی اول کے استاذ حضرت مولانا مفتی موسیٰ کچھولوی رحمۃ اللہ علیہ کے آپریشن کے زمانے میں کچھ دنوں کے لیے فارسی اول کی کتابیں آں مرحوم

سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ: تیرے چاروں بھائی بہن مجھ سے پڑھے تھے؛ لیکن تو باقی تھا، اب کچھ فیض تجھ کو بھی پہنچ گیا۔

حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاندان کے عاشق زار تھے۔ آں مرحوم کے ساتھ دیوبند اور ڈابھیل کے اطراف میں بہت سارے دینی سفر کرنے کی بھی بندے کو سعادت حاصل رہی۔

مرحوم پکے جمعیتی تھے، حضرت مولانا عبدالحنان صاحب: استاذِ حدیث دارالعلوم ماٹلی والا کی صدارت اور حضرت مفتی احمد دیولوی صاحب کی گجرات جمعیت کی نظامت کے دور میں جب جمعیتِ علما کی شاخ بلساڑ ضلع میں قائم ہوئی تو آپ اس کی عاملہ کے رکن رہے، جمعیت کی تحریکات میں بہت حصہ لیتے تھے۔

گجراتی بیان اصلاحِ معاشرہ کے عنوان سے بہت اچھا ہوتا۔

ایک مرتبہ فرمایا: (پیسہ نے نبرونا گمے) یعنی پیسوں کی وجہ سے معمولی چیز انسان پسند نہیں کرتا، پیسے ہو تو اچھا اچھا بناؤ، اچھا کھاؤ، اچھا استعمال کرو، یہ انسان کا جذبہ بن جاتا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا: آج مکان بھی نمائش کی چیز ہوگئی، لوگ شاندار مکان بناتے ہیں اور پھر دکھانے کے لیے لوگوں کو بلاتے ہیں اور تذکرہ کرتے ہیں، یہ اتنا مہنگا ہے، یہ اتنا قیمتی ہے، یہ سب نامناسب باتیں ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا: جو گھڑی بند ہوتی ہے وہ بھی چوبیس گھنٹے میں دو مرتبہ صحیح

وقت بتاتی ہے؛ لیکن آج کا مسلمان چوبیس گھنٹے میں دو اچھے کام کرنے کو بھی تیار نہیں ہوتا۔

درس گاہ میں فضول بولنے والے طلبہ سے بہت ناراض ہوتے۔ کھانے پینے کا اعلی ترین ذوق رکھتے تھے، باتیں آہستہ آہستہ مزے دار فرماتے۔

اللہ تعالیٰ دونوں اساتذہ کی قبروں کو نور سے منور فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

مقدمہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ سیدنامحمد وعلیٰ اٰلہ وصحبہ وعلیٰ من تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین،امابعد:

تقریر وخطابت کے فوائد

تقریر وخطابت اور وعظ ونصیحت یہ دین کی اشاعت کے بہترین ذرائع ہیں، تقریر کے ذریعے بہت سارے فوائد وجود میں آتے ہیں جن میں سے کچھ یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) مسلمانوں کو دینی نصیحت کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے "وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. (الذٰریٰت:۵۵)

(۲) وعظ ونصیحت کرنا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(۳) وعظ ونصیحت کرنا حضرات خلفائے راشدین کا مبارک عمل ہے۔

(۴) وعظ ونصیحت کرنا بہت سارے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مبارک طریقہ رہا ہے۔

(۵) وعظ ونصیحت کرنا سلفِ صالحین کا مبارک طریقہ رہا ہے۔

(۶) امر بالمعروف کی ذمے داری ادا ہوتی ہے۔

(۷) نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے۔

(۸) دین کی تبلیغ کا بہترین ذریعہ ہے۔

(۹) اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانے کا ذریعہ ہے۔

(۱۰) اس کے ذریعے دین کی اشاعت ہوتی ہے۔

(۱۱) دین کے بارے میں پیدا کیے جانے والے فتنوں سے روکنے کا ذریعہ ہے۔

(۱۲) اس کے ذریعے علمِ دین کے سیکھنے سکھانے کا اجر ملتا ہے۔

(۱۳) تقریر کے ذریعے دین کی بات جب لوگوں کو بتائی جاتی ہے تو سامعین اس پر عمل کرتے ہیں اور بیان کرنے والے کو عمل کرنے والے کے اجر میں سے حصہ ملتا ہے۔

(۱۴) تقریر کے ذریعے سے لوگوں کے غلط عقیدوں کی اصلاح ہوتی ہے۔

(۱۵) غلط اعمال، رسومات و بدعات سے لوگوں کی اصلاح ہوتی ہے۔

(۱۶) سامعین کے دلوں میں خوش گوار دینی تبدیلی کا ذریعہ ہے۔

(۱۷) وعظ و نصیحت کی مجالس میں شامل ہونے والوں کو صادقین و صالحین کی صحبتِ بابرکت نصیب ہوتی ہے۔

(۱۸) بیان کرنے والے کی روحانیت کا حاضرین کے دل پر اچھا اثر ہوتا ہے۔

(۱۹) جتنی دیر لوگ مجلسِ وعظ میں ہوتے ہیں تو گناہوں سے حفاظت ہوتی ہے۔

(۲۰) دورانِ وعظ ''لاالہ الا الله، سبحان الله، الحمد لله، الله اکبر، ماشاء الله'' یہ سب ذکر وجود میں آتا ہے اور مجلسِ ذکر کے بڑے فضائل ہیں:

عن أبي هريرة وأبي سعيد رضى الله عنهما أنهما شَهِدَا عَلىٰ

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنَّہُ قَالَ: لَایَقْعُدُ قَوْمٌ یَّذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا حَفَّتْھُمُ الْمَلَائِکَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ وَنَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما دونوں حضرات اس کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، ارشاد فرماتے تھے کہ: جو جماعت اللہ کے ذکر میں مشغول ہو، فرشتے اس جماعت کو سب طرف سے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان کو ڈھانک لیتی ہے اور سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ جلّ شانہ ان کا تذکرہ اپنی مجلس میں تفاخر کے طور پر فرماتے ہیں۔ (فضائلِ ذکر:۳۲۴)

(۲۱) دورانِ وعظ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ بابرکت پر خود واعظ وسامعین درودِ پاک پڑھتے ہیں؛ اس لیے واعظ صاحب کو بھی چاہیے کہ حاضرین کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت درود کی تاکید کریں۔

(۲۲) وعظ کے دوران صحابہ اور صحابیات کے مبارک ناموں پر ''رضی اللہ عنہ'' یا ''عنہا'' یا ''عنہم'' یا ''عنہن'' کے دعائیہ الفاظ کا بھی اہتمام کروانا چاہیے۔

(۲۳) ایک بہت بڑا مجمع ایک وقت میں صحابہ کے لیے دعائیہ کلمات بولے یہ سعادت کی بات ہے۔

(۲۴) اللہ کے نیک بندوں کا جب تذکرہ آوے تب ان کے لیے بھی رحمت ومغفرت کی دعا کا اہتمام کرنا چاہیے، جیسے خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲۵) یہ بھی انسان کی ایک سعادت ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندوں کے

لیے رحمت ومغفرت کی دعائیں کریں۔

(۲۶) اگر وعظ مسجد میں ہوتا ہے تو اعتکاف کی نیت کا اہتمام کروالے، جتنی دیر تک لوگ مسجد میں رہیں گے اعتکاف کا ثواب ملے گا۔

(۲۷) مجلسِ وعظ میں قرآن مجید کی باتیں سنائی جاتی ہیں تو قرآنی مجلس پر جوفضائل ہیں وہ حاصل ہوتے ہیں، حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِيْ هريرة رضى الله عنه أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قال: مَااجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهُ بينهم اِلَّانَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں مجتمع ہوکر تلاوتِ کلامِ پاک اور اس کا دَور نہیں کرتی مگر ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، رحمت کے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور حق تعالیٰ شانہ ان کا ذکر ملائکہ کی مجلس میں فرماتے ہیں۔ (فضائلِ قرآن:۵۱۸)

غرض ان تمام نیتوں اور مقاصد کو سامنے رکھ کر محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے تقریر وخطابت اور وعظ ونصیحت ہونا چاہیے تو ان شاء اللہ اجر وثواب بھی بہت زیادہ ملے گا، اس کے اچھے اثرات بھی ان شاء اللہ مرتب ہوں گے اور رضائے الٰہی کا ذریعہ بنے گا۔

اسی طرح اخلاص کے ساتھ کیے ہوئے مواعظ موجودہ مسلمانوں کے علاوہ مستقبل میں آنے والے لوگوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔

ہمارے کتنے ہی اکابر وہ ہیں جن کے خطبات جمع شدہ اور مطبوعہ ہیں اور امت اس سے برابر فائدہ اٹھارہی ہے؛ اس لیے تقریر سے پہلے اللہ سے یہ دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو موجودہ اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے فائدہ کا ذریعہ بناوے۔

وعظ ونصیحت اور تقریر کے بعد استغفار بھی کریں کہ جو کمی اور کوتاہی ہوگئی ہو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادے۔

ایک اہم ہدایت

آج کل ہمارے بہت سے مقرر حضرات بڑے اونچے اونچے اور گہرے گہرے مضامین بیان کرتے ہیں تو دین کی بات کرنے والوں سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اپنے ہر بیان میں قرآن مجید کی ایک آیت کا معنیٰ اور مفہوم اور اس سے حاصل ہونے والے نصائح کو بھی ضرور بیان کردیں اور کوئی ایک حدیث بھی ضرور بتلادیا کریں اور مختلف موقعوں کی جو سنتیں ہیں ان میں سے کم ازکم دو چار سنتیں بھی بیان کردیں اور احادیث میں آئے ہوئے وظائف اور اذکار میں سے بھی کوئی بات بتلادیں تو اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگ نقد عمل شروع کردیں گے اور اس طرح کی باتیں دہرادہرا کر کم ازکم تین مرتبہ بیان کردیں؛ تاکہ لوگوں کو ذہن نشین ہوجائیں، بعض مخصوص اور مسنون دعائیں اور وظائف مجمع سے پڑھوا بھی لیں؛ تاکہ لوگوں کو

اچھی طرح یاد ہو جائے۔

اس طرح کے چھوٹے چھوٹے وظائف اور اذکار کے لیے بندے کی تالیف ”مسنون وظائف کی چالیس حدیث“ اور ”مسلمانوں کا خزانہ“ اور ”مسنون دعائیں“ وغیرہ کتابوں سے آپ کو بڑا مواد مل جائے گا۔

ایک ضروری تنبیہ

دینی بات بیان کرنے میں اوقات کا لحاظ رکھنا بھی بہت ضروری ہے، میزبان حضرات سے پہلے سے معلوم کرلیں کہ کتنی دیر تک باتیں بیان کرنی ہے، اس وقت میں پورا مضمون بیان کرنے کی کوشش کریں، بعض مرتبہ تو منتظمین کی طرف سے وقت دیا جاتا ہے یا صراحتاً یا اشارتاً بتلا دیا جاتا ہے پھر بھی مقررین حضرات وقت کی رعایت نہیں کرتے جس کی وجہ سے بہت سارے دوسرے نظاموں میں خلل پڑتا ہے؛ اس لیے اس کا بھی خصوصی خیال رکھیں۔

ایک مولانا صاحب ہمارے یہاں کے ایک سالانہ جلسے میں خطاب فرما رہے تھے، ان کو وقت بھی بتلا دیا گیا تھا اور جلسہ گاہ سے سورت ریلوے اسٹیشن تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا وہ سب بتلا دیا تھا اور کتنے بجے آپ کی ٹرین ہے وہ بھی بتلا دیا گیا تھا اور احمد آباد میں آپ کو دوسرے پروگرام میں پہنچنا ہے یہ ساری تفصیل بتا دی گئی تھی، اس کے باوجود بھی وہ ایک موضوع کے اوپر تقریر کر رہے تھے، موضوع بھی سمیٹ رہے تھے، ان کو دیا ہوا وقت بھی ختم ہونے کے قریب آ گیا، بس تقریر کا وقت ختم ہونے میں دو منٹ باقی تھے اور ان کو ایک بدنامِ زمانہ گستاخِ اسلام شخص کی یاد

آ گئی تو مولانا صاحب تقریر میں ایسے بے قابو ہو گئے کہ سب کچھ بھول بھال گئے اور مزید تقریباً ایک گھنٹہ مائک پھٹ جاوے اور کرسی ٹوٹ جاوے ایسا بیان ہو گیا، جس کی وجہ سے ٹرین بھی چھوٹ گئی اور آگے احمد آباد کا پروگرام بھی گڑ بڑا گیا۔

اس طرح کے بہت سارے مسائل کھڑے ہوتے ہیں؛ اسی لیے مقررین کو وقت کی نزاکت کا بھی بہت خیال رکھنا چاہیے، بعض مرتبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ دینی مجلس کے بعد جس ٹرین یا جس ہوائی جہاز سے مقرر صاحب کا سفر ہے اس میں بہت مشکل سے ٹکٹ بنا ہے، اب اگر وقت کا لحاظ نہ رکھا جاوے اور ٹرین یا ہوائی جہاز چھوٹ جائے تو دوسرا نظم منتظمین کے لیے دشوار اور ناممکن ہوتا ہے؛ اس لیے اس کی طرف خصوصی توجہ رہے، خاص طور پر جمعہ سے پہلے والے خطاب میں مقررہ وقت کی رعایت نہایت اہم اور ضروری ہے، دفتر میں کام کرنے والے حضرات اور مختلف مشغولیات والے لوگ خطبہ اور نماز کی نیت سے حاضر ہوتے ہیں، ان کی خصوصی رعایت کی جاویں۔

ہم سے دور رہنے والوں میں وعظ کے متعلق ایک کامیاب تجربہ

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اب تک زندگی میں ایسے کئی مواقع پیش آئے کہ جو لوگ ہم سے غیر مانوس سمجھے جاتے ہیں ایسے مجمع میں دینی باتیں بیان کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، مثلاً رضا خانی بریلوی یا دوسرے اسی طرح کے فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگ تو ایسے موقعوں پر اختلافی مسائل بیان کر کے طنز اور طعن وتشنیع کا انداز اختیار نہ کیا جائے بلکہ افہام وتفہیم، غلط فہمیوں کا ازالہ، ہمارے عقائد

اور نظریات مثبت انداز میں پیش کیے جائیں، قرآن وحدیث کے ساتھ پیش کیے جائیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کے مختلف واقعات کو بیان کیا جاویں تو اس کے بہت ہی زیادہ فائدے ہوتے ہیں۔

بندے کو اس طرح کے مجمعوں میں اس انداز کے اختیار کرنے پر بفضل اللہ تعالیٰ بڑی کامیابی نظر آئی ہے، بہت سے شیعہ لوگوں کے ذہن میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عظمت اور قرآن کی حقانیت وغیرہ حقائق ذہن نشین کرانے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

ایک مرتبہ ایک نکاح کی نسبت سے ایک بہت بڑا مجمع تھا جن میں ایک بہت بڑی تعداد بریلوی حضرات کی تھی، اس موقع پر حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے جو شادی ہوئی اور جو رخصتی ہوئی اس کی پوری تفصیلات بیان کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، ایسے ایسے رضا خانی لوگ جو ہم کو مسلمان تک نہیں سمجھتے الحمد للہ! ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا۔

ہم لوگوں کا صحیح موقف دوسروں کے سامنے نہیں ہے؛ اس لیے بھی بہت سارے لوگ ہمارے مسلک سے دور رہتے ہیں؛ اس لیے ہمارے مسلک کی مثبت انداز میں صحیح ترجمانی کرنا بھی بہت ہی مفید چیز ہے۔

مختلف مذاہب کے لوگوں میں خطاب

الحمد للہ! ایک عرصے سے ایسے پروگراموں میں شرکت کی سعادت حاصل ہوتی ہے جس میں مختلف مذاہب کی عوام بھی ہوتی ہے اور ساتھ میں دوسرے

مذاہب کے سادھوسنت، شاستری، پادری لوگ بھی موجود ہوتے ہیں، اسی طرح مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی کابینہ کے وزراء اور حکومت کے دیگر ذمے داران بھی موجود ہوتے ہیں اور ایسی پارٹی کے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے مخالف ہیں یا مسلمانوں کے معاملات میں متشدد ہیں اور ایسے مجمعوں میں جن مضامین کو بیان کرنے سے بہت ہی اچھے اثرات سامنے آئے وہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، الحمدللہ! اس سے میڈیا میں بھی بڑے اچھے اثرات دیکھنے میں آئے:

(۱) الحمد لله رب العالمين والی آیت پر تقریر کہ اللہ کی ربوبیت سب کے لیے عام ہے، اس کو خوب پھیلا کر کے بیان کیا جائے۔

(۲) وما أرسلنك الا رحمة للعلمين والی آیت پر تقریر کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مسلموں کے ساتھ رواداری، شفقت ورحمت کے واقعات کو خوب ذکر کیا جاوے، فتحِ مکہ کے موقع کے واقعات نہایت ہی مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔

(۳) حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کا بیان، اس میں خاص کر کے غیروں کے ساتھ حسنِ اخلاق کے برتاؤ کے واقعات بیان کیے جاویں، اس میں عبداللہ بن ابی کی زیادتیاں اور اس کی موت کے وقت پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سلوک کے ذکر کرنے سے بھی بڑے فوائد سامنے آتے ہیں۔

(۴) اسلام میں عورتوں کے حقوق کے متعلق جو باتیں ہیں، خاص کر کے میراث میں عورتوں کے حقوق کی تفصیل کو ذکر کیا جائے، طلاق اسلام کی نظر میں کتنی

ناپسندیدہ چیز ہے اور کونسی مجبوری میں اس کو استعمال کرنا ہے اس کی تفصیلات سے بھی بڑے فائدے ہوتے ہیں۔

(۵) امنِ عام کے متعلق اسلامی ہدایات: انسانی جان اور مال کی حفاظت کے سلسلے میں قرآن اور حدیث میں آئی ہوئی باتوں کو خصوصاً ذکر کیا جائے۔

(۶) نظافت اور صفائی اور ماحولیات کے متعلق اسلامی ہدایت کو اجاگر کیا جائے۔

(۷) بچوں کی تعلیم و تربیت اور اس کا اسلامی طریقہ ذکر کیا جائے۔

(۸) تعلیم و تربیت کی اہمیت قرآن اور حدیث کی روشنی میں واضح کی جائے۔

(۹) لفظِ جہاد کا لغوی معنی اور اس کا وسیع ترین مفہوم ذکر کیا جائے۔

(۱۰) پڑوسی کے حقوق قرآن اور حدیث میں سے ذکر کیے جائے۔

(۱۱) خدمتِ خلق، خدمتِ والدین، ضعیفوں، بیوہ، یتیم، کمزوروں اور جانوروں کے ساتھ ہمدردی کے متعلق قرآن وحدیث کے واقعات بیان کیے جاویں۔

(۱۲) تجارت کرنے کا اسلامی طریقہ اور جھوٹ، دھوکا، غصب وغیرہ سے بچنے کے متعلق اسلامی ہدایات بیان کی جاویں۔

(۱۳) اثباتِ توحید، رسالت وآخرت عقلی دلائل سے بیان کیا جائے۔

(۱۴) ملک کی آزادی میں مسلمانوں کی قربانی پوری تحقیقی تاریخ اور حوالوں کے ساتھ بیان کی جائے۔

(۱۵) دہشت گردی کے سلسلے میں اسلامی موقف کو اجاگر کیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کے مضامین غیر مسلموں کے سامنے ذکر کرنے

سے بہت ہی اچھے فوائد اور نتائج کا مشاہدہ کیا ہے اور بہت سی مرتبہ اس طرح کے مضامین سن کر غیر مسلم دنگ رہ جاتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے متعلق نفرتیں ختم ہوتی ہیں اور وہ اسلام سے قریب ہوتے ہیں۔

مختلف مذاہب کے لوگوں میں خطاب کے وقت زبان

مختلف مذاہب کے لوگوں کے درمیان خطاب کے وقت علاقائی زبان کا استعمال بہت ہی مفید ہے اور اگر مقرر علاقائی زبان سے واقف نہ ہو تو ہمارے ملک ہندوستان میں ملکی زبان ہندی کو استعمال کرنا مناسب ہے؛ لیکن نہایت آسان الفاظ اور سہل تعبیرات استعمال کی جائیں۔ کچھ لطائف وظرائف بھی شامل رہے تو بہت ہی اچھا ہے۔

حقیقی بات تو یہ ہے کہ ہمارا دین اسلام ہر اعتبار سے کامل ومکمل ہے، بس کمی یہ ہے کہ ہم اپنے قول وعمل سے اس کو جیسا پیش کرنا چاہیے ایسا پیش نہیں کر سکے ہیں، اس سلسلے میں تیاری کرنا اور کرانا آج کے حالات کے پیشِ نظر بہت ہی ضروری ہے۔

الحمد للہ! ان تمام موضوعات کے متعلق بندے کو مختلف مذاہب کے لوگوں کے مجمع میں خطاب کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور اللہ کے فضل سے اس کے بڑے اچھے اثرات سامنے آئے؛ اس لیے آپ کے فائدے کے لیے یہ باتیں یہاں لکھ دی ہیں، بندے کے اس طرح کے موضوعات کے بیانات بہت ساری سی ڈیز میں بھی

محفوظ ہیں اور انٹرنیٹ پر بھی موجود ہیں وہاں سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

ایک دینی ارادہ اور اس کے لیے دعا کی درخواست

الحمدللہ! اب تک بہت سارے ملکوں میں دینی بات بیان کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے اور مکہ، مدینہ، عرفات، مسجدِ اقصیٰ جیسے مقاماتِ مقدسہ میں بھی دینی باتیں سنانے کی سعادت حاصل ہوئی، البتہ افریقہ کے ملک ''ملاوی'' میں مستورات کے بیان کا جو سلسلہ ہے زیادہ تر وہی شائع ہوسکا ہے، دیگر موضوعات کے متعلق بیانات کتاب کی شکل میں شائع ہوں اس سلسلے میں آپ سے دعا کی درخواست ہے؛ اس لیے کہ تقریر کو تحریر میں لانا آسان کام نہیں ہے۔

ساتھ ہی بندے نے ایک ارادہ کیا ہے، خود بھی دعا کرتا ہوں اور آپ سے بھی دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ میں جن جن عورتوں کے واقعات آئے ہیں اس کو بیان کر کے کتابی شکل میں شائع کیا جائے، الحمدللہ! خطبات کی ان سات جلدوں میں اب تک بہت ساری عورتوں کے واقعات آچکے ہیں، باقی کے لیے میں دعا اور کوشش کرتا ہوں، آپ بھی دعا اور کوشش فرمائیں۔

شکریہ

خطبات کی ساتویں جلد میں جن جن حضرات نے جس طرح حصہ لیا ہے میں ان تمام کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں اپنی رضا سے مالا مال فرماوے اور ان کو اور ان کی نسلوں کو اللہ تعالیٰ دین کی خدمات کے لیے قبول فرماوے،

خاص طور پر عزیزِ مکرم مولانا عمران گودھروی زید مجدہ- مدرس: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک- کی کوششوں کا اس جلد میں بڑا دخل ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس عبدِ ضعیف سے قرآن مجید کا آسان اور عام فہم ترجمہ اور تفسیری فوائد کے لکھوانے کا جو کام کروا رہے ہیں اس کی کتابت اور تصحیح جیسی اہم خدمات بھی موصوف اپنے رفقا کی ٹیم کے ساتھ انجام دے رہے ہیں، وہ اور ان کی اہلیہ بندے کے لیے طعام کا بھی بڑا فکر رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے رفقا کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔

نیز عزیزِ مکرم مفتی معاذ صاحب بمبوی- مدرس: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک- اور مفتی سلطان سمول گودھروی- گجراتی ہفتہ وار اخبار ''واحد قلم گودھرا'' کے مدیرِ مکرم- زید مجدہما کا بھی ممنون و مشکور ہوں کہ انھوں نے پروف ریڈنگ کا مرحلہ مکمل فرمایا اور مفتی اویس صاحب گودھری زید مجدہ- مدرس: جامعہ ڈابھیل- کا بھی شکر گزار ہوں کہ احادیث کی تخریج میں موصوف کا گراں قدر تعاون شامل رہا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس کتاب کی اشاعت کے لیے مالی اخراجات کا بیڑہ حسبِ سابق ملاوی کے مسلمان بھائی اٹھا رہے ہیں، اللہ ان کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے، خصوصاً حضرت مولانا سلیم صاحب کمکوتروی، مولانا محمد صاحب کاپودروی اور محترم آصف بھائی میمن اور حاجی یونس تو تلاوہ بھی دینی اشاعتی کاموں میں حوصلہ افزائی کرتے

رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ہمارے نورانی مکاتب کے شعبۂ نشر واشاعت کے ناظم مولانا حافظ الحاج یوسف صدیق بھانا آسنوی زید مجدہم کی خدمات اور کوششوں کو بھی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

آمین یارب العالمین

ربناتقبل مناانك انت السميع العليم وتب علينايامولناانك انت التواب الرحيم وصلى الله تعالىٰ علىٰ سيدنامحمد وعلى اٰله وأصحابه وعلى من تبعهم باحسان الى يوم الدين ۔

العبد: محمود بارڈولی عفی عنہ
جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک
۲۴/ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ

امر بالمعروف و نہی عن المنکر
کی حقیقت
(پہلی قسط)

اقتباس

ابن کثیر نقل فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حج کے موقع پر مجمعِ عام میں یہ آیتِ کریمہ یعنی" كنتم خير امة" علی الاعلان تلاوت فرمائی جب کہ وہ خلیفہ تھے اور ارشاد فرمایا کہ: اے لوگو! تم یہ چاہتے ہو کہ بہترین امت میں شامل ہو جاؤ؟

بعض روایات میں الفاظ یوں آئے ہیں کہ: اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھارے اندر" خيـــر امة " کی بشارت پیدا فرمادے تو تم لوگ اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کرو جو اوصاف آگے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے۔

پھر فرمایا: وہ کونسے اوصاف ہیں؟ فرمایا کہ:

تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤ منون بالله. (تفسیر ابن کثیر)

یہ تین اوصاف پیدا کرلو، پھر تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی بشارت "خير امة" کے اندر شامل ہو جاؤ گے۔

اس روایت کو نقل کر کے علامہ عثمانیؒ نے ایک زبردست جملہ ارشاد فرمایا کہ:

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو آدمی بھی اس آیت کی فضیلت کو حاصل کرنا چاہے وہ خود بھی نیک اور اچھا بن جائے اور دوسروں کو نیک اور اچھا بنانے کی فکر کرے۔ اور یہی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ رہا ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ،وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِاَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا،مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ،وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ،وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَاوَحَبِیْبَنَا وَاِمَامَنَاوَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ،صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ، وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً....اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْ مِنُوْنَ بِاللّٰہِ.(آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ:تم (اے امتِ محمدیہ!) بہترین امت ہو جو (عالم میں عام) لوگوں کے فائدے کے لیے بھیجی گئی ہو،تم اچھا کام کرنے کے لیے کہتے ہو اور تم بری بات سے روکتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

جب کبھی بھی دعوت وتبلیغ کے عنوان سے بیان ہوتا ہے تو عام طور پر ''سورۂ آلِ عمران'' کی یہ آیتِ کریمہ تلاوت کی جاتی ہے اور اسی کو سامنے رکھ کر بیان ہوتا ہے؛ بلکہ اس سے ایک قدم آگے چل کر ایک بات کہوں تو شاید غلط نہ ہو کہ اگر خطبے کے بعد یہ آیت پڑھی جائے تو لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ دعوت وتبلیغ کے عنوان پر بات ہوگی، عام طور پر یہی بات علما اور عوام ہر ایک کے ذہن میں بیٹھی ہوئی ہے۔

الغرض! ذمے دار حضرات جب بدھ کے دن کی دعوت دینے کے لیے آئے (۱) تو دل میں یہ بات آئی کہ حضراتِ مفسرین کے لکھے ہوئے اقوال کی روشنی میں اس آیتِ کریمہ کی صحیح تفسیر آپ کے سامنے ذکر کردوں؛ تاکہ سب سے پہلے آپ اس آیتِ کریمہ کو صحیح سمجھ لیں اور پورے عالم میں بسنے والے ہر ہر فرد کو آپ اس آیت کا صحیح مطلب اور مفہوم سمجھائیں، خود بھی اس پر عمل کریں اور عالم میں اس کی دعوت کو لے کر چلنے والے بنیں اور خود مجھے بھی فائدہ ہو جائے۔

دین کی باتوں کے متعلق تین بنیادی مقاصد

دین کی باتوں کے یہی تین مقاصد ہوتے ہیں:

(۱) خود سیکھنا اور سمجھنا۔

(۲) اس پر عمل کرنا۔

(۳) تمام انسانوں تک اس کی دعوت پہنچانا۔

وفدِ عبد القیس والی روایت سے بھی دین کی باتوں کے یہی مقاصد معلوم ہوتے ہیں:

(۱) ہمارے جامعہ میں الحمد للہ دعوت وتبلیغ کے کام میں طلبہ بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، باقاعدہ پوری ترتیب اور مشورے سے کام ہوتا ہے اور اطراف کے مدارس میں جامعہ کو دعوت وتبلیغ کے اعتبار سے بھی مرکزیت کا درجہ حاصل ہے۔ بدھ کے دن عصر کے بعد تشکیل ہوتی ہے اور جمعرات کے دن اطراف میں ایک دن کے لیے جماعتیں روانہ ہوتی ہیں، بدھ کے دن کی بات کے لیے ذمے دار طلبہ وقتاً فوقتاً اساتذۂ جامعہ کو بھی دعوت دیتے ہیں، اسی دعوت کی طرف اشارہ ہے۔

یہ امر بالمعروف کے تینوں بیان جامعہ میں طلبہ کے درمیان ہوئے ہیں۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه تعالٰی قال:ان وفد عبد القيس أتوا النبي صلی اللّٰه عليه وسلم فقال:من الوفد أو من القوم؟قالوا:ربيعة.فقال: مرحبا بالقوم أوبالوفد،غير خزاياولاندامىٰ.قالوا:اناأتيك من شقة بعيدة وبيننا وبينك هذاالحي من كفارمضر،ولانستطيع أن نأتيك الافي شهرحرام،

فَمُرۡنَابِأَمۡرٍ نُخۡبِرُبِهٖ مَنۡ وَرَاءَ نَا،نَدۡخُلُ بِهِ الۡجَنَّةَ.

فأمرهم بأربع ونهاهم عن أربع:أمرهم بالايمان باللّٰه عزوجل وحده.قال:هل تدرون ماالايمان بالله وحده؟قالوا:اللّٰه ورسوله أعلم.قال: شهادة أن لااله الا اللّٰه،وأن محمدا رسول اللّٰه،واقام الصلوة،وايتاء الزكوة ، وصوم رمضان،وتعطوا الخمس من المغنم.الخ

قال:**اِحۡفَظُوۡهُ وَأَخۡبِرُوۡهُ مَنۡ وَرَاءَ كُمۡ.**

وفي رواية:احفظوهن وأبلغوهن من وراء كم. (صحيح البخاري: ٧٢٦٦)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:عبدالقیس کا وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرحبا ہے اس قوم کو جو نہ رسوا ہوئی اور نہ شرمندہ (یعنی خوشی سے مسلمان ہو گئے ،لڑ کر مسلمان نہیں ہوئے جس سے ان کو ذلت یا ندامت ہوتی)۔

انھوں نے عرض کیا کہ:یارسول اللہ!ہمارا ملک بہت دور ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان مُضَر کے مشرکین کی آبادیاں ہیں،صرف اشہرِ حرم میں (یعنی رجب،

ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم جن میں عرب لوٹ مار کو حرام جانتے ہیں) ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں؛

اس لیے آپ ہم کو ایسا جامع اور مختصر عمل بتلا دیجیے کہ اس کے کرنے سے ہم جنت میں داخل ہو سکیں اور اہلِ شہر کو بھی اسی کی دعوت دیں۔

جامع عمل

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں۔

(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

(۲) نماز کو قائم کرو۔

(۳) زکوٰۃ ادا کرو اور مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ اللہ کے لیے ادا کرو۔

(۴) رمضان کے روزے رکھو۔

اس حدیث شریف میں ان الفاظ پر خاص دھیان دیا جاوے کہ وفدِ عبد القیس کے لوگوں نے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی بات سکھانے کی درخواست کی اس میں یہ اہم مقاصد عرض کیے:

ہم خود عمل کر کے جنت میں داخل ہوں اور ہمارے جو بھائی یہاں نہیں آسکے ہیں وہ بھی ہمارے ذریعے ان باتوں کو سیکھ کر عمل کریں اور جنت میں داخل ہونے والے بنیں۔

نیز خود آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی ارشاد فرمایا:

اِحۡفَظُوۡهُ وَأَخۡبِرُوۡهُ مَنۡ وَرَاءَ کُمۡ.

جس سے معلوم ہوا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اہم مقاصد یہی بیان فرمائیں۔

آیتِ کریمہ کا پس منظر

اب ذرا اس آیت کا پس منظر بھی سمجھ لو! یہ آیت سورۂ آلِ عمران کے بارھویں رکوع میں ہے اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس آیت کے تحت عجیب وغریب نکات ذکر کیے ہیں:

افضل نبی کی افضل امت

فرماتے ہیں کہ: اس سورت کے نویں رکوع پر غور کرو تو اس میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور آپ کا تمام نبیوں سے افضل ہونا بیان فرمایا ہے، نویں رکوع میں آیت ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ. (اٰل عمران، آیت: ۸۱)

ترجمہ: اور وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے اقرار لیا تھا کہ ”جو کتاب اور حکمت (شریعت کا علم) میں تم کو عطا کروں پھر تمھارے پاس کوئی ایسا رسول آوے جو تمھارے پاس (پہلے سے) موجود (کتاب) کو سچا بتاتا ہو تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور تم اس کی مدد (بھی) کرنا“۔

یہاں عالمِ ارواح میں نبیوں سے عہد لینے کا تذکرہ ہے، اس تذکرے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو بیان فرمایا اور اس فضیلت کو بیان

فرما کر کے اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جس امت کے نبی سب سے ''افضل نبی'' ہوں گے وہ امت یقیناً سب سے ''افضل امت'' ہوگی، گویا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے ذریعہ سے امت کی افضلیت کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔

افضل قبلہ افضل امت کے لیے

پھر آگے چلیں تو دسویں رکوع میں قبلے کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو جو قبلہ عطا فرمایا وہ تمام قبلوں میں سب سے افضل ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًاوَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ. (آلِ عمران، آیت:٩٦)

ترجمہ: یقینی بات ہے کہ (دنیا کا) سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہ جو مکہ میں ہے، (جو شروع ہی سے) برکت والا ہے اور تمام عالموں کے لیے ہدایت (کا مرکز) ہے۔

اس رکوع میں اس امت کو جو قبلہ (یعنی کعبۃ اللہ) دیا گیا اس کے افضل ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے؛ اس لیے کہ پچھلی امتوں میں بہت سو کا قبلہ بیت المقدس رہا ہے اور اس امت نے بھی چند دنوں تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے، بعد میں خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت اور منشا کے مطابق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کے لیے بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰها. (البقرة:١٤٤)

ترجمہ: (اے ہمارے نبی!) پکی بات یہ ہے کہ ہم تمھارے چہرے کو بار بار آسمان

کی طرف اٹھتا ہوا دیکھ رہے ہیں، سو (اس لیے) تم جس قبلے (کعبہ) کو پسند کرتے ہو اس کی طرف ہم ضرور تمھارے رخ کو پھیر دیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے شوق اور رغبت سے بار بار آسمان کی طرف دیکھتے تھے کہ کب تحویلِ قبلہ کا حکم آئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ چاہت اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی اور آپ کو افضل قبلہ ''كعبة الله'' عطا فرمایا گیا۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ کردیا گیا کہ جس امت کا قبلہ سب سے افضل ہوگا وہ امت یقیناً دنیا وآخرت میں سب سے افضل امت ہوگی۔

افضل کتاب افضل امت کو

پھر گیارھویں رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا. (آل عمران:۱۰۳)

ترجمہ: اور تم سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی (یعنی قرآن) کو مضبوط پکڑے رہو اور تم (آپس میں) جدا نہ ہو جاؤ۔

یہاں پر ''حبل الله'' سے مراد قرآن مجید اور شریعتِ محمدیہ ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے گیارھویں رکوع میں اس امت کو جو کتاب (قرآن مجید) دی گئی ہے اس کا تمام آسمانی کتابوں میں افضل ہونا بیان فرمایا، علی اختلاف الاقوال حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ: ایک سو چار (۱۰۴) کے قریب چھوٹی بڑی کتابیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی اور ان میں بھی چار کتابیں بڑی بڑی ہیں، پھر ان چاروں میں بھی قرآنِ مجید کا مقام سب سے اونچا اور افضل ہے۔

بہر حال! گیارھویں رکوع میں اس امت کی کتاب (قرآن مجید) کا تمام کتابوں میں افضل ہونا بیان کیا گیا۔

اور کتاب کیا ہوتی ہے؟

اللہ تعالیٰ کے احکام اور شریعت کے قانون کا مجموعہ ہوا کرتی ہے۔

جب کتاب افضل تو شریعت بھی افضل، کتاب سب سے اعلیٰ تو اس میں جو احکام بیان ہوئے وہ بھی سب سے اعلیٰ؛ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی کتاب کے افضل ہونے کو بیان فرما کر کے اور اس امت کو جو شریعت دی گئی اس شریعت کے افضل ہونے کو بیان فرما کر کے اس امت کے افضل ہونے کو بیان فرمایا۔

افضل امت

آخر میں سورت کے بارھویں رکوع میں یہ آیتِ کریمہ آئی ''كنتم خير أمة'' گویا کہ اب براہِ راست (DIRECT) اس امت کی فضیلت کو تمام امتوں کے مقابلے میں افضل قرار دیا گیا۔

بہر حال! یہ افضلیت اور فضیلت مسلسل اوپر سے چلی آرہی تھی؛ نویں رکوع میں، دسویں رکوع میں، گیارھویں رکوع میں تین جگہ پر اشارتاً اس امت کی فضیلت کو ثابت فرمایا اور یہاں چوتھے مقام پر اس امت کی افضلیت کو صراحتاً بیان فرمایا گیا۔

كنتم کی تفسیر

اب آیئے! ذرا آیت کے الفاظ کو دیکھتے ہیں:

’’کنتم‘‘ یہ خطاب کس کو ہے؟

حضراتِ مفسرین کی ایک جماعت تو اس بات کی طرف گئی ہے کہ اس کے مخاطب صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔

لیکن دوسرے حضرات نے بعد والی امت پر کرم فرمایا اور کہا کہ: اول تو اس خطاب کے مصداق صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں اور بعد میں پوری امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مصداق ہیں۔

لیکن شرط لگائی کہ جو افراد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نہج پر چل کر کے، صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقوں کو اپنا کر کے حضراتِ صحابہ والا کام کریں گے تو وہ اس (کنتم) کے مصداق ہوں گے۔

خیرِ امت کا مطلب

اس کے بعد دوسرا لفظ ہے ’’خیر أمة‘‘ تو یہ ’’خیرِ امت‘‘ کا مطلب کیا ہے؟

جب یہ لفظ آتا ہے تو ہم امت کی فضیلتیں بیان کرنا شروع کرتے ہیں، فضائل دوسرے نمبر پر ہیں، پہلے سمجھو! خیرِ امت کا مطلب کیا ہے؟

حضراتِ مفسرین نے بہت سارے اقوال لکھے ہیں، اس میں سے چند اقوال آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں:

کامل اور مکمل توحید

اس امت کو اللہ تعالیٰ نے ایسی کامل اور مکمل توحید عطا فرمائی جو اگلی امتوں

میں سے کسی امت کو نصیب نہیں ہوئی، اسی لیے فرمایا:

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَھُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الۡاَمۡنُ وَھُمۡ مُّھۡتَدُوۡنَ. (الأنعام: ۸۲)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان میں انھوں نے کسی طرح کا شرک نہیں ملایا ایسے ہی لوگوں کے لیے امن ہے اور وہی لوگ صحیح راستے پر ہیں۔

اس آیت میں ''ظلم'' سے مراد کیا ہے؟ ترمذی شریف میں موجود ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: یہاں ''ظلم'' سے مراد ''شرک'' ہے:

عن عبد الله رضی الله عنه قال: لما نزلت "اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَھُمۡ بِظُلۡمٍ" شق ذلك على المسلمين، فقالوا يارسول الله وأينا لا يظلم نفسه. قال: ليس ذلك انما هو الشرك. (سنن الترمذي: ٣٠٦٧)

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب آیتِ کریمہ ''اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَھُمۡ بِظُلۡمٍ'' نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے معاملہ مشکل ہو گیا، انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! ہم میں سے کون ایسا ہے جو اپنے آپ پر ظلم نہ کرتا ہو۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے۔

یعنی جو لوگ اپنے ایمان اور توحید میں ذرہ برابر بھی شرک کی ملاوٹ نہیں ہونے دیں گے ایسے لوگوں کے لیے فرمایا کہ: ان کے لیے دنیا و آخرت میں امن ہے اور وہ جہنم سے مامون ہیں اور وہی لوگ صحیح ہدایت پر ہیں۔

اس سے اندازہ لگاؤ کہ! اس امت کو جو توحید دی گئی وہ ایسی کامل اور مکمل ہے کہ اس میں رائی کے دانے کے برابر بھی شرک کا شائبہ نہیں رہا۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کا سجدہ

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت کا کام لے کر مختلف ملکوں میں بھیجا تو وہاں انھوں نے عیسائیوں کے یہاں ایک طریقہ دیکھا کہ وہاں کے جو بادشاہ اور لیڈر رہوتے ہیں ان کے سامنے ان کی عوام اور رعایا سجدہ کرتی ہیں تو ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے مدینہ واپسی پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ:

''أَنْتَ أَحَقُّ أن يُسْجَدَ لك''

کہ اے اللہ کے نبی! وہ تو دنیا کہ بادشاہ ہیں اور آپ تو دونوں جہانوں کے سردار ہیں، آپ سجدہ کیے جانے کے زیادہ حق دار ہیں، آپ ہمیں اجازت مرحمت فرمائیے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لَوْ كُنْتُ آمُرُ أَحَداً أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِها. (رواه الترمذي،عن أبي هريرة: ۱۱۵۹)

اگر میری شریعت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے سامنے سجدہ کرنے کی گنجائش ہوتی تو میں بیوی کو اجازت دیتا کہ وہ اپنے شوہر کے سامنے سجدہ کرے۔

یہ روایت تقریباً بیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، تواتر کے درجے میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور سجدہ

حالاں کہ آپ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں پڑھتے ہیں:

وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا. (یوسف: ۱۰۰)

ترجمہ: اور یوسف (علیہ السلام) نے اپنے والدین کو تخت پر اونچے بٹھا دیا اور وہ (والدین اور گیارہ بھائی) ان (یوسف علیہ السلام) کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کے سامنے شکر کا سجدہ کیا گیا تھا، یوسف علیہ السلام کو نہیں تھا۔ عبادت کا سجدہ تو ہر شریعت میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے جائز تھا؛ البتہ کسی کی تعظیم کے لیے سجدہ کرنا پچھلی شریعتوں میں جائز تھا؛ لیکن وہ شرک کا ذریعہ بن سکتا ہے؛ اس لیے اِس امت میں وہ ناجائز قرار دیا گیا، بخاری شریف کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ (ماخوذ از معارف القران)

خیر! یہاں پر سجدہ ہو رہا ہے جس کو سجدۂ تعظیمی کہو، سجدۂ تکریم کہو یا سجدۂ احترام کہو جو بھی کہو یہ پچھلی شریعت کی بات ہے؛ لیکن اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے سامنے کسی طرح کے سجدے کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔

جو چیز شرک کے لیے دور سے بھی ذریعہ بن سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو اس امت کے لیے منع فرما دیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو کامل اور مکمل توحید عطا فرمائی ہے۔ خیرِ امت کا ایک مطلب یہ ہوا۔

پوری اہمیت کے ساتھ توحید کا حکم

اس امت کو توحید کا اہتمام کرنا ہے اور توحید کے اہتمام کے ساتھ زندگی گزارنی ہے اس کا خصوصی حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا اور کیسا اہتمام کرنا ہے،

کتنے سخت انداز میں ارشاد فرمایا گیا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ.(النساء: ١١٦)

ترجمہ: یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنانے کو معاف نہیں کرتے اور اس (شرک) سے کم درجے کے (گناہِ صغیرہ یا کبیرہ) جس کے لیے چاہتے ہیں معاف کردیتے ہیں۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ.(الأعراف: ٤٠)

ترجمہ: یقیناً جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے رہے اور ان (آیتوں) کے مقابلے میں تکبر کرتے رہے ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوجاوے۔

یعنی یہ تو ممکن ہے کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں سے گذر جائے؛ لیکن شرک کرنے والا جنت میں جائے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اور معراج کی روایت میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین تحفے ملے، اس میں سے ایک تحفہ یہ ملا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں جو بھی شرک سے اپنے آپ کو بچائے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہِ کبیرہ کو بھی معاف فرمادیں گے، یہ اہمیت بتائی گئی ہے شرک سے بچنے کی اور توحید کو پورے طور پر اپنانے کی۔

یہ بھی ''خیر امة'' کا ایک مطلب ہے۔

توحید سب کے لیے ہے

اس امت کے لیے توحید کے معاملے میں عموم ہے کہ توحید اس امت میں اللہ تعالیٰ نے عام رکھی کہ اس امت کا ہر فرد چاہے وہ بادشاہ ہو یا فقیر، امیر ہو یا غریب، عام ہو یا خاص، ہر ایک کے لیے توحید لازمی ہے۔

حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ:

عَنْ عَدِيّ.....وَسَمِعْتُهُ يَقْرَأُفِي سُورةِ بَرَاءَ ةٍ"اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًامِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ"،قَالَ:أَمَاأَنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوايَعْبُدُوْنَهُمْ؛وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَاأَحَلُّوْالَهُمْ شَيْئًااِسْتَحَلُّوْهُ،وَاِذَاحَرَّمُوْاعَلَيْهِمْ شَيْئًاحَرَّمُوْهُ.(الترمذي)

اے عدی! کیا تم یہ نہیں کرتے تھے کہ تمھارے علما، تمھارے احبار اور تمھارے رُہبان جس چیز کو حلال بتادیتے تھے تم اس کو حلال مان لیتے تھے اور جس چیز کو حرام بتادیتے تھے تم اس کو حرام مان لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں دیکھتے بھی نہیں تھے کہ کیا کتاب میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے یا نہیں ہے، بس تمھارے علما نے کہہ دیا اور تم نے مان لیا۔

اس امت میں یہ نہیں رکھا گیا، یہاں ہر ایک کے لیے توحید عام ہے، ہر فرد کے لیے زندگی کے ہر شعبے میں، عمل میں بھی توحید ہو، قول میں بھی توحید ہو۔

دین کا علم، قرآن، حدیث اور فقہ سب چیزیں طبقاتی نہیں رکھی گئی، خاندانی نہیں رکھی گئی، ہر ایک کے لیے عام ہے، جو چاہے اس کو اس کی ترتیب سے حاصل کرے۔

بہر حال! اس امت کے لیے توحید کو عام رکھا گیا۔

یہ بھی ''خير امة'' کا ایک مطلب ہے۔

اس امت کا مثالی اعتدال

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس امت کے لیے ہر شعبے میں اعتدال رکھا ہے اور یہ بھی اس امت کی خصوصی صفت کے طور پر بیان کیا گیا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا.(البقرۃ:۱۴۳)

اللہ تعالیٰ نے تم کو معتدل (ہر شعبے میں اعتدال والی) امت بنایا۔

پچھلی امتوں میں یہ حالات تھے کہ بعض لوگ شادیاں ہی نہیں کرتے تھے، تو دوسری طرف بعض امتوں کا حال یہ تھا کہ اتنی شادیاں کرتے تھے کہ کپڑے سے زیادہ بیویاں بدلتے تھے۔

اب اس امت کو اللہ تعالیٰ نے اعتدال عطا فرمایا اور صراحت فرمادی کہ زیادہ سے زیادہ چار شادی کرو، اس سے زیادہ نہیں اور چاروں کے حقوق بھی برابر ادا کرو اور اگر حق ادا نہیں کر سکتے تو زیادہ مت کرو، بس ایک پر حقوق کی ادائیگی کے ساتھ اکتفا کرو۔

پہلے زمانے میں لوگ روزہ رکھتے تو رکھتے ہی چلے جاتے؛ لیکن اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے سال میں ایک ہی مہینے کے روزے فرض کیے اور پھر سنت، مستحب روزے آئے اور پھر ان کی بھی تحدید کر دی گئی؛ گویا ہر چیز میں اعتدال۔

یہ بھی ''خیر امت'' کا مطلب ہے۔

روحانی واخلاقی اصلاح

روحانی واخلاقی اصلاح: یہ اس امت کا فرضِ منصبی ہے کہ وہ روحانی اصلاح

بھی کرے اور اخلاقی اصلاح بھی کرے، اس کو امتِ محمدیہ کا فرضِ منصبی قرار دیا گیا۔

یہ بھی ''خیر امت'' کا مطلب ہے۔

کامل امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکمیل کی گئی، آگے جو بات آ رہی ہے ''تأ مرون بالمعروف وتنهون عن المنكر'' یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ صرف اس امت کی خصوصیات میں سے ہے، پہلی امتوں کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا؛ لیکن ناقص تھا۔

مکمل اور ناقص کا کیا مطلب؟

مفسرین لکھتے ہیں کہ: پہلی امتیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دو چیزوں سے کرتی تھیں:

ایک اپنی زبان سے۔

اور ایک اپنی سوچ اور فکر سے۔

یعنی کسی کو برائی کرتے دیکھتے تو پہلے دماغ میں سوچتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بندہ برا کام کر رہا ہے، پھر اس کو زبان سے روکتے اور زبان سے بھلی بات کا حکم کرتے۔

پچھلی امتوں کے صرف یہ دو طریقے تھے:

ذہن سے سوچنا، فکر کرنا اور زبان سے سمجھانا، زبان سے بھلی بات کا حکم کرنا اور بری بات سے روکنا۔

جب کہ اس امت میں اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تکمیل

فرمائی اور تیسری چیز بھی عطا فرمائی: یعنی ہاتھ سے روکنا، جہاد اور قتال کے ذریعہ یا اپنے ہاتھ سے روک کر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور اس کی شکل یہی ہے کہ کسی کو تم برائی میں دیکھو تو اپنے ہاتھ سے روکو، برائی سے روکنے کے لیے بہت سے مواقع پر قتال مشروع کیا گیا۔

اس کو حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے:

مَـنْ رَأىٰ مِـنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِه،فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِه،فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِه وذالك أَضْعَفُ الْاِيْمَانَ. (رواه مسلم عن أبی سعيد:٣٠٦٧)

ترجمہ: تم میں سے جو شخص کوئی گناہ ہوتا ہوا دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اپنے ہاتھ اور قوت سے اس کو بدل دیوے اور اگر یہ نہ کر سکے تو زبان سے بدلے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو کم از کم دل میں اس کو برا سمجھے اور یہ ادنیٰ درجے کا ایمان ہے۔

''مـن رأى مـنـكـم مـنـكرا فليغيره بيده'' یہ پہلا درجہ رکھا، یہ تکمیل اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔

دوسرا درجہ ''فان لم يستطع فبلسانه۔

تیسرا درجہ ''فان لم يستطع فبقلْبِه''۔

اس حدیث کے الفاظ پر غور کریں ''فـلـيـغيـره'' کا حکم ہے یعنی برائی کی جگہ بھلائی لانی ہے، تبدیلی کرنی ہے۔

خیر! یہ تینوں درجات امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ہیں جس کے ذریعہ اس کام کی تکمیل ہوئی۔

یہ بھی ''خیر امت'' کا ایک مطلب ہے۔

اہتمام اور تاکید

اس امت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اہتمام کرنے کا حکم کیا گیا اور اہتمام بھی ایسا کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کا تذکرہ آیا اور احادیث میں اس کا تذکرہ آیا، اس قدر اہتمام اور تاکید صرف اس امت کو کی گئی۔

کامل شریعت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت

خیر امت کا ایک مطلب ہے ''تکمیلِ شریعت''یعنی مکمل شریعت اس امت کو عطا کی گئی، ایسی مکمل شریعت پچھلی امتوں کو کبھی عطا نہیں کی گئی اسی لیے سن دس ہجری میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کا آخری حج ادا فرمایا تو آیت نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدة:۳)

ترجمہ: آج میں نے تم پر تمھارا دین (ہر طرح سے) مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت میں نے پوری کر دی اور میں نے تمھارے لیے اسلام دین کو (ہمیشہ کے لیے) پسند کیا۔

ایسی مکمل شریعت کہ قیامت تک دین کی لائن سے جتنی بھی ضروریات وابستہ ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مکمل فرما دی۔

''مکمل شریعت'' یہ بھی ''خیر امت'' کا ایک مطلب ہے۔

اسلام نیا مذہب نہیں ہے

بعض لوگ ایک غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں جس کا بعض مرتبہ نقصان بھی سامنے آتا ہے۔

ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اسلام حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوا؛ حالاں کہ شریعتِ اسلامی کی ابتدا تو حضرت آدم علیہ السلام سے ہو چکی تھی۔

ہاں! اسلام کی تکمیل حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ہوئی۔

گویا اسلام کوئی نیا مذہب نہیں؛ بلکہ قدیم مذہب ہے۔

اس امت کے لیے علوم ومعارف کے خزانے

اس امت کے لیے علوم ومعارف کے دروازے کھول دیے گئے اور ایسے دروازے اللہ تعالیٰ نے کھول دیے جو پچھلی امتوں میں کسی کو نصیب نہیں ہوئے، آپ اندازہ لگاؤ! کہ قرآن مجید کی ایک سورت کے مضامین کے بارے میں فرمایا جائے:

اِنّ ھٰذا لَفِيْ الصُّحُفِ الْأُوْ لٰی، صُحُفِ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی. (الأعلیٰ: ۱۹)

ترجمہ: یقیناً یہ (مضامین) پچھلے آسمانی صحیفوں میں موجود ہیں، ابراہیم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں میں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتابوں میں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کتابوں میں جو علوم اور مضامین تھے وہ قرآن مجید کی ایک سورت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے۔

کہاں پوری آسمانی کتابیں اور کہاں قرآن کی ایک سورت! آپ اندازہ لگاؤ

کہ: اللہ تعالیٰ نے کیسے علم و معرفت کے دروازے اس امت پر کھول دیے۔

یہ بھی ''خیرِ امت'' کا ایک مطلب ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عام ہے

اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دائرہ محدود نہیں رکھا کہ ایک زمانے کے لیے یا ایک علاقے کے لیے یا ایک قوم کے لیے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دائرہ بہت وسیع رکھا ہے، پچھلے زمانے میں یہ ہوتا تھا کہ: یہ نبی ایک زمانے تک، یہ نبی ایک علاقے کے واسطے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملکِ شام میں محنت کر رہے ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام سدوم کے علاقے میں محنت کر رہے ہیں۔ دونوں کا علاقہ متعین، دونوں کے علاقے کو اللہ تعالیٰ نے محدود رکھا۔

پچھلی بعض امتوں کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے دائرہ بھی متعین، علاقہ بھی متعین اور قوم بھی متعین تھی؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ایسا بنایا کہ اس کی محنت کا دائرہ کسی قوم تک خاص نہیں، قیامت تک آنے والی تمام اقوامِ عالم اس کی محنت کا دائرہ اور میدان ہے۔

اسی طرح کوئی خاندان خاص نہیں، جو بھی ہو، کالا ہو یا گورا ہو، عربی ہو یا عجمی ہو، اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے ہر ایک کو محنت کا میدان بنایا۔

تمام شاخیں ہری بھری

ایمان، اعمال اور تقویٰ کی تمام شاخیں اللہ تعالیٰ اس امت کی برکت سے آباد

فرمائیں گے۔

ایمان کی، اعمال کی اور تقویٰ کی یہ تین چیزیں مفسرین نے لکھی ہے کہ تینوں شعبوں کو اللہ تعالیٰ اس امت کی قربانیوں کی برکت سے سرسبز وشاداب فرمائیں گے۔

یہ بھی ''خیرِ امت'' کا مطلب ہے۔

عمل کم، ثواب زیادہ

ایک اور مطلب مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ تم لوگوں کا ''قلیل عمل'' دوسری امتوں کے ''کثیر عمل'' کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہوگا، یہ امت قلیل عمل کرے گی، تھوڑا عمل کرے گی؛ لیکن اجر اور ثواب کے اعتبار سے دوسری امتوں کے زیادہ اعمال سے زیادہ افضل اور زیادہ بہتر ثواب پانے والی ہوگی۔

ایک شبِ قدر ہی کو لے لو، اس امت کے لیے ایک رات کی عبادت دوسری امتوں کی ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر قرار دی گئی ہے۔

یہ سب باتیں حضراتِ مفسرین نے ''خیرِ امت'' کی تفسیر میں لکھی ہیں۔

خیرِ امت احادیث کی روشنی میں

اب اس سلسلے میں چند روایتیں بیان کرتا ہوں:

(۱) عن أبي هريرة رضى الله عنه قال قال رسولُ الله صلّى اللّٰهُ عليه وسَلَّمَ: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاس، قال: خَيْرُ النَّاسِ لِلنّاسِ تَأْتُونَ بِهِمْ فِي السَّلاسِلِ فِي أَعْناقِهِمْ حَتّٰى يَدْخُلُوافِي الْإِسْلامِ. (البخاري: ۴۵۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم دوسروں کے حق میں سب سے بہتر ہو (پھر آگے وجہ بیان فرمائی) اس لیے کہ تم لوگوں کی گردن پکڑ پکڑ کے اسلام کی طرف بلاتے ہو، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تم کو سب سے بہترین بنایا۔

مسندِ احمد میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے جس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خصوصیات بیان فرمائی، اس میں ایک خصوصیت یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کو سب سے بہتر امت بنایا۔

(۲) عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضى الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم: أُعْطِيْتُ مالَمْ يُعْطَ أَحدٌ مِنَ الأنبياء. فَقُلْنا: يارسولَ اللّٰه! ماهو؟ قال: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْأَرْضِ، وَسُمِّيْتُ أَحْمَدَ، وَجُعِلَ التُّرَابُ لِيَ طَهُوْرًا، وَجُعِلَتْ أُمَّتِيْ خَيْرَ الْأُمَمِ. (مسند احمد: ۷۶۳)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مجھے وہ نعمتیں عطا کی گئیں جو دوسرے انبیا کو نہیں دی گئیں۔

ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی۔

(۲) مجھے زمین کی کنجیاں (یعنی خزانے) عطا کی گئیں۔

(۳) میرا نام احمد رکھا گیا۔

(۴) میرے لیے مٹی پاک کی گئی۔

(۵) اور میری امت کو بہترین امت بنایا گیا۔

(٣) عَنْ دُرَّةَ بِنْتِ أَبِي لَهَبٍ قَالَتْ: قَامَ رَجُلٌ اِلىٰ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ —وَهُوَ عَلىٰ الْمِنبَرِ— فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُ النَّاسِ أَقْرَؤُهُمْ وَأَتْقَاهُمْ وَآمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْف، وَأَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَأَوْصَلُهُمْ لِلرَّحِمِ. (مسندِ احمد: ٢٧٤٣٤)

ترجمہ: ابولہب کی بیٹی حضرت درہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک مرتبہ کسی نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا- آپ اس وقت منبر پر تھے- کہ:

حضور! کونسا شخص بہتر ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب لوگوں سے بہتر وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والا ہو، سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، سب سے زیادہ اچھائیوں کا حکم کرنے والا، سب سے زیادہ برائیوں سے روکنے والا، سب سے زیادہ رشتے ناتے ملانے والا ہو۔

(٤) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ قَالَ: يَاعِيْسىٰ! اِنِّي بَاعِثٌ مِنْ بَعْدِكَ أُمَّةً اِنْ أَصَابَهُمْ مَايُحِبُّوْنَ حَمِدُوْا وَشَكَرُوْا، وَاِنْ أَصَابَهُمْ مَايَكْرَهُوْنَ اِحْتَسَبُوْا

وَصَبَرُوْا، وَلَا حِلْمَ وَلَا عِلْمَ. قَالَ: يَارَبِّ! كَيْفَ يَكُوْنُ هٰذَا وَلَا حِلْمَ وَلَا عِلْمَ؟ قَالَ: أُعْطِيْهِمْ مِنْ حِلْمِي وَعِلْمِي. (حلية الأولياء لأبي نعيم: ۸۰۳)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ: میں تمھارے بعد ایک امت پیدا کرنے والا ہوں جو راحت پر حمد وشکر کریں گے اور مصیبت پر طلبِ ثواب اور صبر کریں گے؛ حالاں کہ انھیں حلم اور علم نہ ہوگا۔

آپ نے تعجب سے پوچھا کہ: بغیر بردباری اور دور اندیشی اور پختہ علم کے یہ کیسے ممکن ہے؟

رب العالمین نے فرمایا: میں انھیں اپنا حلم اور علم عطا فرماؤں گا۔

(۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک میں جنت میں داخل نہ ہو جاؤں انبیا پر دخولِ جنت حرام ہے اور جب تک میری امت نہ داخل ہو دوسری امتوں پر دخولِ جنت حرام ہے (تفسیر ابن کثیر)

(٦) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! تم ایک اندھیری رات کی طرح بے شمار ایک ساتھ جنت کی طرف بڑھو گے، زمین تم سے پر ہو جائے گی، تمام فرشتے پکار اٹھیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جو جماعت آئی وہ تمام نبیوں کی جماعت سے بہت زیادہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس امت کی افضلیت کا ازلی فیصلہ

بعض مفسرین نے تو کمال کر دیا، وہ لکھتے ہیں کہ:

اس امت کا بہتر ہونا اللہ تعالیٰ کے یہاں ازلی فیصلہ تھا کہ یہ امت تمام امتوں میں سب سے افضل امت ہوگی اور آگے یہ لکھا کہ: اللہ تعالیٰ نے بعض نبیوں کو خبر بھی دی کہ میں ایک امت پیدا کرنے والا ہوں جو تمام امتوں میں سب سے افضل امت ہوگی۔

اور امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے وہ سنا کر آج اس مضمون کو یہاں پر روکتا ہوں۔

ابن کثیر نقل فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حج کے موقع پر مجمعِ عام میں یہ آیتِ کریمہ یعنی" كنتم خير امة"علی الاعلان تلاوت فرمائی جب کہ وہ خلیفہ تھے اور ارشاد فرمایا کہ:

اے لوگو! تم یہ چاہتے ہو کہ بہترین امت میں شامل ہو جاؤ؟

بعض روایات میں الفاظ یوں آئے ہیں کہ:

اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھارے اندر"خير امة" کی بشارت پیدا فرمادے تو تم لوگ اللہ تعالیٰ کی شرطوں کو پورا کرو۔

اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ:

تم اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کرو جو اوصاف آگے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے۔

پھر فرمایا: وہ کونسے اوصاف ہیں؟ فرمایا کہ:

تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤ منون بالله. (تفسیر ابن کثیر)

ترجمہ: تم اچھا کام کرنے کے لیے کہتے ہو اور تم بری بات سے روکتے ہو اور تم

اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

یہ تین اوصاف پیدا کرلو، پھر تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی بشارت ''خیر امة'' کے اندر شامل ہو جاؤ گے۔

اس روایت کو نقل کر کے علامہ عثمانیؒ نے ایک زبردست جملہ ارشاد فرمایا کہ:

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو آدمی بھی اس آیت کی فضیلت کو حاصل کرنا چاہے وہ خود بھی نیک اور اچھا بن جائے اور دوسروں کو نیک اور اچھا بنانے کی فکر کرے۔اور یہی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ رہا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں بھی یہ تین شرطیں اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

وآخر دعواناان الحمد لله رب العالمين

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی حقیقت

(دوسری قسط)

اقتباس

''دروس التاریخ الاسلامی'' میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ:

ایک رومی جاسوس صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان رہنے کے لیے آیا تھا تو اس نے صحابہؓ کے درمیان رہ کر کے اپنے بادشاہ کو پیش کرنے کے لیے اپنی جاسوسی کی جو رپوٹ تیار کی تھی اس میں اس نے یہ الفاظ لکھے تھے کہ:

بِـاللَّيْلِ رُهْبَانٌ وَبِالنَّهَارِفُرْسَانٌ،وَلَوْ سَرَقَ ابْنُ مَلِكِهِمْ قَطَعُوْهُ،وَلَوْزَنٰى رُجِمَ لِإِقَامَةِ الْحَقِّ فِيْهِمْ.(دروس التاريخ الاسلامي،القسم الثاني: ٣٢)

جب رات ہوتی ہے تو یہ لوگ اپنے اللہ کے سامنے دنیا سے قطع تعلق ہو کر رونے والے اور گڑگڑانے والے ہوتے ہیں اور جب دن ہوتا ہے تو اپنی سواریوں اور اپنے گھوڑوں پر بیٹھ کر کے اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکل پڑتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں اور اگر ان کے بادشاہ کا لڑکا بھی چوری کرے تو سب لوگوں کے درمیان انصاف قائم رکھنے کے لیے اس کے ہاتھ کاٹتے ہیں اور اگر زنا کرے تو اس کو رجم کرتے ہیں۔

یہ ایک عیسائی جاسوس نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ،وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا،مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ،وَنَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ،وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ شَفِيْعَنَاوَحَبِيْبَنَا وَاِمَامَنَاوَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ،صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَاَهْلِ طَاعَتِهٖ، وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً كَثِيْراً...... اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ.(آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ:تم (اے امتِ محمدیہ!) بہترین امت ہو جو (عالم میں عام) لوگوں کے فائدے کے لیے بھیجی گئی ہو،تم اچھا کام کرنے کے لیے کہتے ہو اور تم بری بات سے روکتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

گذشتہ مجلس میں ''خیرِ امت'' کا مطلب آپ کو بتلایا گیا تھا،اب اس کے بعد آیتِ کریمہ میں لفظ ہے ''أخرجت للناس''اس کے سلسلے میں جو جو باتیں کتبِ تفاسیر میں لکھی گئی ہیں ان میں سے چند باتیں آپ کے گوش گزار کرتا ہوں۔

أخرجت للناس کا مطلب

''أخرجت'' کا ایک مطلب یہ ہے کہ:

(۱) اس امت کو ظاہر کیا گیا ہے لوگوں کے واسطے۔

(۲) اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ: اس امت کو بھیجا گیا ہے لوگوں کے واسطے۔

دونوں میں سے جو بھی ترجمہ لیں ذمے داری کی اہمیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے؛ اس لیے کہ جس خاص کام کے لیے کسی کو بھیجا جاتا ہے وہ کام اس کے بنیادی مقاصد میں سے ہوتا ہے۔

دعوت کس کو؟

پھر آگے ''الناس'' کا لفظ ہے تو یہ ''الناس'' کیا ہے؟

(۱) ایک مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے نفع کے لیے اللہ تعالیٰ نے تم کو بھیجا ہے۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے تم کو بھیجا ہے۔

یہاں غور کرنے کا مقام ہے کہ آیت میں ''ناس'' کا لفظ ہے، ''مومنین'' یا ''مسلمین'' کا لفظ نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں بسنے والے تمام انسان چاہے وہ مسلمان ہوں، چاہے غیر مسلم ہوں، ان سب کو فائدہ پہنچانا اور ان سب کی ہدایت کی فکر کرنا اس امت کے بنیادی مقاصد میں سے ہیں۔

البتہ یہ بات اور رہی کہ ہم جتنی فکر اپنے ایمان والے بھائیوں کی کرتے ہیں اس کے مقابلے میں جو لوگ کلمہ ہی نہیں پڑھے ہوئے ہیں ان لوگوں کی ہدایت اور ان کو فائدہ پہنچانے کی فکر ہم لوگ کچھ کم ہی کر رہے ہیں؛ حالاں کہ آیت دونوں کے لیے عام ہے ''الناس'' ایمان والے بھی اور غیر ایمان والے بھی، ہر ایک کی ہدایت کی فکر کرنا یہ ہم سب لوگوں کی ذمے داریوں میں شامل ہے۔

لفظ ’’الناس ‘‘میں دو احتمال

مفسرین نے ’’الناس‘‘ کے لیے دو احتمال ذکر کیے ہیں:

(۱) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: اس کا تعلق ’’خیر‘‘ سے ہے۔

اگر اس کا تعلق ’’خیر‘‘ سے ہو تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تم لوگ تمام لوگوں کے لیے خیر ہی خیر ہو۔

یہ امتِ محمدیہ کو ان کی ذمے داریاں یاد دلائی جارہی ہیں کہ: اے امتِ محمدیہ کے لوگو! تم تمام لوگوں کے لیے خیر ہی خیر بن کر کے آئے ہو، تمھاری ذات سے ان کو تکلیف اور ایذا پہنچے اس کا تو کبھی تصور ہی نہیں ہوسکتا۔

(۲) بعض حضرات نے ’’الناس ‘‘ کا تعلق ’’أخرجت ‘‘ سے کیا ہے۔

اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تم لوگوں ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہو؛ یعنی تم کو پیدا کرنے کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ تم لوگوں کی فلاح، بہبود اور ہدایت کی فکر کرنے کے لیے برپا کیے گئے ہو؛ اس لیے لوگوں کی ہدایت اور ان کی فلاح و بہبود کی فکر اور کوشش کرو۔

ناس کے لفظ کا مفہوم

’’الـنـاس ‘‘ کے لیے جب ہم لغت دیکھتے ہیں کہ یہ لفظ کس سے مشتق ہے تو اس کا ایک مادۂ اشتقاق ’’ن، و، س‘‘ نظر آتا ہے ’’نَوس‘‘ جس کے معنی آتے ہیں ’’اضطراب‘‘ جس کا سیدھا سادہ ترجمہ ہم کرتے ہیں ’’بے چینی‘‘۔

گو یا کہ اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ انسانیت کی ہدایت کی فکر ایسی ہو جو انسان کو ہر وقت بے چین رکھے اور پوری بے چینی کے ساتھ انسان اس کام کو انجام دینے والا بنے۔

اس کی تائید میں شمائل کی ایک حدیث پیش کرتا ہوں:

عن الحسن بن علي رضي اللّٰه عنهما قال: سمعتُ خالي هندَ بُنَ أبي هالةَ—وكان وَصَّافاً—فقلتُ: صِفْ لي مَنْطِقَ رسولِ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم، قال: كان رسولُ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم مُتَوَاصِلَ الأَحْزَانِ، دَائِمَ الْفِكْرَةِ ليستْ له حاجة. (الشمائل المحمدية: ٢١٥، باب كيف كان كلام رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم)

اس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ذکر کیے گئے ہیں ''دائم الفکرۃ'' کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فکر میں رہتے تھے، ''متواصل الا حزان''، مسلسل غم میں رہتے تھے۔

وہ کیا چیز تھی جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت متفکر، غمگین اور بے چین کیے رکھتی تھی؟

صرف ایک ہی فکر و غم تھا کہ پوری انسانیت اپنے مالک کو راضی کر کے جنت میں جاوے۔

یہ وہی لفظ ''نوس'' ہے جو خود اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ تمھارے اندر بے چینی اور فکر ہو۔

چنانچہ ہمارے اسلاف کی زندگیوں میں بے چینی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی امت کے لیے بے چینی

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب حضرت کی رخصتی ہوئی اور آپ اپنی نئی نویلی دلہن کے پاس پہنچے ہیں تو اس خلوت کی رات میں جب دلہوں کے خوابوں میں پتہ نہیں کیا کیا چیزیں ہوتی ہیں؛ حضرت اپنی دلہن کے پاس پہنچے تو اس سے فرمایا کہ: اٹھو، مصلیٰ بچھاؤ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے والی بن جاؤ، پھر فرمایا کہ: اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے والی آج تک الیاس کی دو آنکھیں تھیں، آج سے میری تمھاری ملا کر چار آنکھیں رویا کریں گی۔ جس شخص کی شبِ زفاف کا یہ حال ہو تو اس کی دوسری راتوں کا کیا حال ہوتا ہوگا؟۔

رونے والے دو بزرگ

حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ ''میں نے اپنے اکابر میں اپنے والد (حضرت مولانا یحیٰ صاحبؒ کاندھلوی) اور حضرت مدنی قدس سرہ کو اخیر شب میں بہت ہی آواز سے روتے سنا، بسا اوقات ان اکابر کے رونے سے مجھ جیسے کی آنکھ بھی کھل جاتی تھی جس کی آنکھ سونے کے بعد بڑی مشکل سے کھلتی ہے۔

حضرت مدنی کے رونے کا منظر اب تک کانوں اور دل میں ہے، جیسے کوئی بچے کو پیٹ رہا ہو اور وہ رو رہا ہو۔ (آپ بیتی: ۳۴۱)

اس قدر یہ حضرات بے چینی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے والے تھے۔

ایک مرتبہ ہمارے جامعہ میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ: مولانا اظہر صاحب رانچی والے تشریف لائے تھے، انھوں نے پرانے منبر پر بیٹھ کر بیان کیا تھا۔

فرمایا کہ: میں تہجد کے وقت حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک تولیہ رکھ دیتا تھا، چھوٹا سا تولیہ جس کو "نیپکین" کہتے ہیں، حضرت جب تہجد میں روتے تھے تو انسانیت کے لیے اتنی بے چینی ہوتی تھی کہ آنسوؤں کی قطار بن جاتی تھی، اس تولیہ کے ذریعہ حضرت اپنے چہرے کو پونچھا کرتے تھے، اس میں اتنے آنسو جمع ہو جاتے کہ جب اس تولیہ کو نچوڑا جاتا تو اس میں سے بڑی مقدار میں آنسوؤں کے قطرے نکلا کرتے تھے۔

آپ اندازہ لگاؤ کہ! اتنا زیادہ رونا کہ تولیہ تر ہو جائے اور اس کو نچوڑنے سے اس میں سے قطرے نکلے، یہ کس قدر بے چینی اور اضطراب کی باتیں ہوں گی!

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی امت کی فکر کا کچھ حصہ نصیب فرمائے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیاں غیروں کی نظر میں

چنانچہ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی صفات میں بھی یہی چیز ملتی ہے۔

"دروس التاریخ الاسلامی" میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ:

ایک رومی جاسوس صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان رہنے کے لیے آیا تھا تو اس نے صحابہؓ کے درمیان رہ کر کے اپنے بادشاہ کو پیش کرنے کے لیے اپنی جاسوسی کی جو رپوٹ تیار کی تھی اس میں اس نے یہ الفاظ لکھے تھے کہ:

بِـاللَّيْلِ رُهْبَانٌ وَبِالنَّهَارِ فُرْسَانٌ، وَلَوْ سَرَقَ ابْنُ مَلِكِهِمْ قَطَعُوْهُ، وَلَوْ زَنٰى

رُجِمَ لِاِقَامَةِ الْحَقِّ فِيْهِمْ. (دروس التاريخ الاسلامي، القسم الثاني: ۳۲)

جب رات ہوتی ہے تو یہ لوگ اپنے اللہ کے سامنے دنیا سے قطع تعلق ہوکر رونے والے اور گڑگڑانے والے ہوتے ہیں اور جب دن ہوتا ہے تو اپنی سواریوں اور اپنے گھوڑوں پر بیٹھ کر کے اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکل پڑتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں اور اگر ان کے بادشاہ کا لڑکا بھی چوری کرے تو سب لوگوں کے درمیان انصاف قائم رکھنے کے لیے اس کے ہاتھ کاٹتے ہیں اور اگر زنا کرے تو اس کو رجم کرتے ہیں۔

یہ ایک عیسائی جاسوس نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا۔

دن میں محنت، رات میں عبادت

بہر حال! ہمارے اندر بھی یہ صفات پیدا ہوں؛ اس لیے کہ دن کی محنت اور رات کا رونا ان دونوں میں جوڑ ہے کہ دن میں مخلوق میں چل پھر کر محنت کریں اور رات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے روئے۔

یہی چیز ہمیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ملے گی، اللہ تعالیٰ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دے رہے ہیں کہ:

يـاَيُّهَـا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلاً نِصْفَهُ أَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا. (المزمل: ۱، ۲، ۳، ۴)

ترجمہ: اے چادر میں لپٹنے والے! رات کا تھوڑا حصہ چھوڑ کر باقی رات میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہوجایا کرو، رات کا آدھا حصہ (عبادت کے لیے کھڑے ہو) یا آدھے سے کچھ کم کرلو، یا اس سے کچھ زیادہ کرلو اور قرآن کو اطمینان سے صاف صاف

پڑھا کرو۔

اس آیت میں تین کیفیتیں آ گئیں:

قم اللیل. اس میں مطلق ہے۔

(۱) الا قلیلا. اس میں قلیل کا استثنا کیا، اس سے اکثر رات میں تہجد کا حکم آیا۔

(۲) أو انقص منه قلیلا. اس میں سے کچھ کم کر دو۔

(۳) أو زد علیه'' یا اس سے اوپر کچھ بڑھا دو۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہی حال تھا؛ یعنی راتوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے تہجد پڑھنا، اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر رونا اور دن میں دین کی خاطر محنت کرنا۔

انسانوں کو مانوس کرو

اور یہ ناس کا لفظ ''أنس'' سے بھی بہت قریب ہے، انس اور ناس دونوں قریب قریب ہے۔

کیا مطلب؟

یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں (ناس) کو انس پہنچاؤ، ان کو مانوس کرو اور ان کو اللہ تعالیٰ کا کلمہ پہنچاؤ، اللہ تعالیٰ کا دین پہنچاؤ اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف ان کو دعوت دینے والے بنو اور جس قدر ہم ان کو مانوس کر کے دین سکھلائیں گے اتنا زیادہ ان کی زندگی میں فائدہ ہوگا اور وہ دین جلدی قبول کریں گے۔

اس امت کے لیے اجتماعیت بھی مطلوب ہے

آگے آیتِ کریمہ میں ''أمة'' کا جو لفظ ہے وہ اجتماعیت کو بتلا رہا ہے کہ اس امت کو اجتماعیت بھی مطلوب ہے۔

اجتماعیت یعنی آپس کے اندر مل جل کر کے کام کرنا۔ یہ امت کا لفظ ہمیں اجتماعیت کی دعوت دیتا ہے۔

انفرادی و اجتماعی محنت

دین کے کام میں دونوں حصے ہیں: اجتماعی محنت بھی ہو اور انفرادی محنت بھی ہو۔

اور قرآن نے ہم کو حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت سے یہ دونوں چیزیں سکھلائی:

ثُمَّ اِنِّيْ أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا. (النوح: ۹)

ترجمہ: پھر میں نے ان کو علانیہ دعوت دی اور چپکے چپکے ان کو دعوت دی۔

دونوں چیزیں علانیہ دعوت بھی اور چھپ کر کے دعوت بھی، اس میں مجمعِ عام کی دعوت بھی آ گئی اور انفرادی دعوت بھی آ گئی۔

حدیث شریف میں اس اجتماعیت پر اللہ تعالیٰ کی مدد کا وعدہ ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسولُ اللّٰهِ صلَّى اللّٰهُ عليه وسلم: يَدُ اللّٰهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ. (الترمذي: ٢٣٤٠)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی مدد جماعت کے ساتھ شاملِ حال رہتی ہے۔

یعنی جہاں اجتماعیت ہوگی، جہاں تم جماعت کی شکل میں کام کروگے اللہ تعالیٰ کی مدد اس جماعت پر آئے گی۔

میرے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کلکٹر صاحب کو نصیحت

(جتنی بڑی فضیلت اتنی ہی زیادہ ذمے داریاں)

اس حدیث سے ایک بات آپ کو سنادوں:

ایک مرتبہ دیوبند کی چھتہ مسجد میں جہاں ہمارے پیرو مرشد، استاذِ مشفق، حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا قیام تھا، وہاں پر ضلع ''مظفر نگر'' کے کلکٹر صاحب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے آئے، انھوں نے آکر کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کی اور اپنی ترقی (PROMOTION) کے لیے دعا کی درخواست کی۔

تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات ارشاد فرمائی کہ:

کلکٹر صاحب! ایک آپ کی فضیلت ہے کہ آپ کلکٹر ہیں اور اس فضیلت کے ساتھ آپ کو بہت ساری سہولتیں (FACILITIES) بھی ملی ہوئی ہیں؛ مثلاً لال لائٹ والی کار آپ کو ملی ہوئی ہے، سرکاری بنگلہ اور شاندار ایر کنڈیشن آفس آپ کو ملی ہوئی ہے، اسی طرح لمبا چوڑا اسٹاف بھی ملا ہوا ہے اور آپ اپنے ضلع میں بہت ساری چیزیں جاری وساری کرسکتے ہیں، آپ کو یہ سب سہولتیں ملی ہوئی ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ: یہ دو چیزیں ہوئیں:

(۱) ایک تو آپ کی فضیلت کہ آپ کلکٹر کے عہدے پر فائز ہیں۔

(۲) اور اس کے ساتھ سہولیات کہ آپ کو بہت ساری فسیلیٹیز حکومت نے دے رکھی ہے۔

لیکن اس کے بدلے میں حکومت کی طرف سے آپ کو ایک بہت بڑی ذمے داری بھی دی گئی ہے کہ آپ پورے ضلع کے لوگوں کے لیے حکومت کی طرف سے ذمے دار ہو۔

پھر فرمایا کہ: یہ جو آپ کو عہدہ اور فضیلت ملی اور اس کے ساتھ سہولتیں ملیں اس کو صحیح استعمال کر کے آپ نے مخلوقِ خدا کی خدمت کی اور جو ذمے داری ہے وہ پورے طور پر امانت داری کے ساتھ نبھائی تو اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور ترقی عطا فرمائیں گے۔ اتنا فرما کر کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو روانہ فرمایا۔

بہرحال یہ بات ہم سب کے لیے بڑی سبق کی ہے کہ ہم امتِ محمدیہ کے لوگ ہیں، خیرِ امت کا لقب ہم کو ملا ہوا ہے، یہ ہماری فضیلت ہوگئی؛ لہذا ہماری ذمے داریاں بھی اتنی ہی زیادہ بنتی ہیں۔

اب اگر کوئی شخص صرف سہولتیں اور اختیارات استعمال کریں اور اس کے بدلے ذمے داریوں کو نہ نبھائیں تو یہ کتنی بڑی کوتاہی ہے، سہولتیں اور اختیارات ذمے داریوں کے ساتھ ہیں۔

اس امت کے لیے آسانیاں

اس کے ساتھ بہت ساری سہولتیں ہمارے لیے ہیں؛ اس لیے کہ پچھلی امتوں

کو جو سخت احکام دیے گئے تھے وہ احکام اللہ تعالیٰ نے اس امت کو نہیں دیے۔

تفسیر کی کتابوں میں بڑی تفصیلات ہیں کہ پچھلی امتوں کو کیسے مشکل بھرے احکام دیے گئے اور اس امت کو اللہ تعالیٰ نے کتنی سہولتیں عطا فرمائیں۔

صرف ایک مثال دیتا ہوں جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو کس قدر سہولتیں عطا کی ہیں:

چنانچہ پچھلی امتوں میں بعض پر یہ حالات تھے کہ رات کو کوئی آدمی گناہ کرتا تو صبح اس کے دروازے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ گناہ لکھ دیا جاتا کہ آج رات اس آدمی نے یہ گناہ کیا ہے۔

لیکن حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہونے کی برکت سے ہمارے لیے یہ سہولت ہوگئی کہ ہم گناہ کرتے ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ اس پر ستاری فرماتے ہیں، پردہ ڈال دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے دروازے پر نہیں لکھتے۔

اگر باری تعالیٰ ستاری نہ فرماتے تو!

جب میں یہ حدیث سناتا ہوں تو ساتھ ہی یہ جملہ بھی کہا کرتا ہوں کہ: اگر اس امت میں بھی یہ سلسلہ جاری ہوتا تو پتہ نہیں ہم کو کتنے بڑے دروازے بنوانے پڑتے؟ اس لیے کہ ہمارے گناہ اتنے سارے ہیں کہ ہمارے یہ پانچ فٹ کے دروازے ناکافی ہوتے اور ہمیں مکان کے آگے لال قلعے کے صدر گیٹ سے بھی بڑا گیٹ بنوانا پڑتا۔

اور اگر ہمارے گناہ ظاہر ہوتے تو لوگ ہم پر تھوکنا بھی گوارا نہ کرتے؛ لیکن افضل نبی کی خیرِ امت ہونے کے ناتے ہمیں یہ سہولت مل گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ان

گناہوں پر ستاری فرمادی۔

ذمے داریوں کا خلاصہ

اب ہمیں اپنی ذمے داری نبھانی ہے۔

کونسی ذمے داری؟

’’تـأمـرون بالمعروف وتنهون عن المنكر‘‘ والی ذمے داری ہم کو نبھانی ہے اور جو آدمی اس ذمے داری کو نبھائے گا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا وآخرت میں ترقی عطا فرمائیں گے۔

اور یہ ذمے داری کیسے نبھانی ہے؟

تو یہاں مضارع کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں:

(۱)تأمرون۔

(۲)تنهون۔

(۳) تؤ منون۔

یہ تینوں مضارع کے صیغے ہیں۔

اوراسی سے اوپر والے رکوع میں ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.(آل عمران: ١٠٤)

ترجمہ:اور(ضرور)تمھارے درمیان (ایک ایسی) جماعت ہونی چاہیے جو بھلائی کی دعوت دیا کرے اوراچھی باتیں سکھلایا کرے اور بری چیزوں سے روکا کرے

اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

یہاں بھی تینوں صیغے مضارع کے آئے ہیں:

(۱) یدعون۔

(۲) یأمرون۔

(۳) ینھون۔

اور ہم سب عربی اول سے پڑھتے آ رہے ہیں کہ مضارع کا صیغہ استمرار پر دلالت کرتا ہے، تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ ذمے داری ہم کو مسلسل نبھانی ہے، زندگی کی آخری گھڑی تک اور مرتے دم تک یہ ذمے داری ہمیں نبھانی ہے، تب جا کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فضیلتیں اور بشارتیں آئی ہیں اللہ تعالیٰ وہ ہم سب کو عطا فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس ذمے داری کا احساس نصیب فرمائے اور اس ذمے داری کو کما حقہ نبھانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اسی لیے بھائیو! یہ طے کر لو کہ تینوں کام ''تأمرون بالمعروف'' اور ''تنھون عن المنکر'' اور ''تؤمنون باللہ'' ہم کو زندگی کی آخری گھڑی تک نبھانے ہیں اور مسلسل اور لگاتار ہمیں یہ کام کرتے رہنا ہے۔

ایک اہم بات

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑی اہم بات ارشاد فرمائی ہے:

تقویٰ، قرآن پر مضبوطی سے عمل کا کام، اتحاد و اتفاق، قومی زندگی، اسلامی مواخات یہ سب چیزیں اس وقت باقی رہ سکتی ہیں جب کہ مسلمانوں میں ایک جماعت

خاص دعوت وارشاد کے لیے قائم رہے، اس کا وظیفہ یہی ہو کہ اپنے قول وعمل سے دنیا کو قرآن وسنت کی طرف بلائے اور جب لوگوں کو اچھے کاموں میں سست یا برائیوں میں مبتلا دیکھے اس وقت بھلائی کی طرف متوجہ کرنے اور برائی سے روکنے میں اپنی طاقت کے موافق کوتاہی نہ کرے۔

ظاہر ہے کہ یہ کام وہی حضرات کر سکتے ہیں جو معروف ومنکر کا علم رکھیں اور قرآن وسنت سے باخبر ہونے کے ساتھ ذی ہوش اور موقع شناس ہو، ورنہ بہت ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف کو منکر یا منکر کو معروف خیال کر کے بجائے اصلاح کے سارا نظام ہی خراب کر دے یا ایک منکر کی اصلاح کا ایسا طریقہ اختیار کرے جو اس سے بھی زیادہ منکرات کے پیدا ہونے کا سبب ہو جائے یا نرمی کی جگہ سختی اور سختی کے موقع میں نرمی برتنے لگے۔

شاید اسی لیے مسلمانوں میں سے ایک مخصوص جماعت کو اس منصب پر مامور کیا گیا جو ہر طرح دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہل ہو۔

نہی عن المنکر کو چھوڑنے پر وعید

حدیث میں ہے کہ جب لوگ منکرات میں پھنس جائیں اور کوئی روکنے والا نہ ہو تو عام عذاب آنے کا اندیشہ ہے۔ (ماخوذ از تفسیرِ عثمانی ص:۸۱)

حدیث کے الفاظ اور ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

وَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْ عِنْدِهِ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهُ فَلَا يَسْتَجِيبَ

لَکُمْ. (رواہ الترمذي عن حذيفةؓ بہ حوالہ معارف القرآن، ج:۲،ص:۱۳۷)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! تم ضرور بالضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگاروں کے ساتھ تم سب پر بھی اپنا عذاب بھیج دے، پھر تم اس کے دور ہونے کی دعا کروگے اور تمھاری دعا قبول نہ ہوگی۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کس پر ضروری ہے؟

البتہ تمام احکامِ شرعیہ کی طرح اس میں بھی ہر شخص کی قدرت واستطاعت پر احکام دائر ہوں گے، جس کو جتنی قدرت ہو اتنا ہی امر بالمعروف کا فریضہ اس پر عائد ہوگا۔

ابھی جو حدیث آپ نے دیکھی ہے اس میں استطاعت ہی پر مدار رکھا گیا ہے، پھر استطاعت وقدرت ہر کام کی جدا ہوتی ہے۔

امر بالمعروف کی قدرت پہلے تو اس پر موقوف ہے کہ وہ معروف اور وہ منکر اس شخص کو پوری طرح صحیح صحیح معلوم ہو، جس کو خود ہی معروف ومنکر کی تمیز نہ ہو یا اس مسئلہ کا پورا علم نہ ہو وہ اگر دوسروں کو امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرنے لگے تو ظاہر ہے کہ بجائے اصلاح ہونے کے فساد ہوگا۔

اور بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی ناواقفیت کی بنا پر کسی معروف کو منع کرنے لگے یا منکر کا حکم کرنے لگے؛ اس لیے جو شخص خود معروف ومنکر سے واقف نہیں اس پر یہ فریضہ تو عائد ہے کہ وہ واقفیت پیدا کرے اور احکامِ شرعیہ کے معروف ومنکر کا علم حاصل کرے اور پھر اس کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خدمت انجام دے؛

لیکن جب تک اس کو واقفیت نہیں اس کا اس خدمت کے لیے کھڑا ہونا جائز نہیں۔

جیسے اس زمانے میں بہت سے جاہل وعظ کہنے کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، نہ انھیں قرآن کا علم ہے، نہ حدیث کا۔

یا بہت سے عوام سنی سنائی غلط باتوں کو لے کر لوگوں سے جھگڑنے لگتے ہیں کہ ایسا کرو، ایسا نہ کرو۔ یہ طریقِ کار بجائے معاشرے کے درست کرنے کے اور زیادہ ہلاکت اور جنگ وجدال کا سبب ہوتا ہے۔

بہر حال! یہ ذمے داری ہم کو مسلسل نبھانی ہے، زندگی کی آخری گھڑی تک اور مرتے دم تک یہ ذمے داری ہمیں نبھانی ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات کا عجیب واقعہ

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات آپ کو معلوم ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھ مہینے مسلسل ان کے گھر میں رہے، ان کے حالات پڑھنے چاہییے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ:

زندگی کے آخری ایام میں جب کہ عمر اسی (۸۰) سال ہو چکی تھی تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں تشریف لے گئے۔

کہاں؟

استنبول یعنی عرب کی حدود سے نکل کر یورپ تشریف لے گئے۔

استنبول دنیا کا ایک ایسا شہر ہے جو آدھا یورپ میں ہے اور آدھا ایشیا میں ہے

اور وہاں زمانۂ قدیم میں عیسائیوں کا مرکز ''قسطنطنیہ'' تھا جس کے بارے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کی بشارت دی تھی۔

اور نیز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ بہترین لشکر ہوگا جو قسطنطنیہ فتح کرے گا۔

اس بشارت کو حاصل کرنے کی حرص میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیرانہ سالی کے باوجود وہاں تشریف لے گئے، وہاں جا کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوگئے۔

چنانچہ جس خیمے میں آپ مقیم تھے وہاں امیرِ لشکر یزید بن معاویہ آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور آپ سے سوال کیا کہ:

میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں، آپ تو اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان ہیں؟۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ: میری بس ایک خواہش ہے کہ جب میں مر جاؤں تو مرنے کے بعد میری نعش کو جہاں میری موت آئے وہاں دفن مت کرنا؛ بلکہ میری نعش کو ایک گھوڑے پر رکھ کر سامنے عیسائیوں کا قلعہ ہے وہاں جتنا اندر لے جا سکو لے جانا اور وہاں میری نعش کو دفن کر دینا۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آخری وصیت فرمائی، چنانچہ ان کی وصیت پوری کر دی گئی، آپ کی وفات کے بعد یزید بن معاویہ نے آپ کی لاش کو ایک گھوڑے پر رکھا اور دشمن کے علاقے میں جتنا اندر تک لے جانا ممکن تھا لے

جایا گیا اور وہیں پر ان کو دفن کر دیا۔ (الاصابۃ: ۱/۴۰۵ بہ حوالہ جہانِ دیدہ)

آپ رضی اللہ عنہ اپنی اس وصیت کے ذریعہ یہ سبق دینا چاہتے تھے کہ محشر میں اللہ تعالیٰ کے پاس کہہ سکوں کہ: اللہ تعالیٰ جب تک میں زندہ رہا تیرے دین کے لیے چلتا رہا اور مرنے کے بعد بھی میری لاش تیرے راستے میں چلتی رہی، یہی آپ کی وصیت کا خلاصہ نکلتا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پر انوارات کی بارش

الحمدللہ! اب تک دو مرتبہ ترکی کا سفر ہوا، جب میری حاضری ''تُرکی'' میں ہوئی اور ہم حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر پہنچے تو واللہ! یہ بات خدا کے گھر میں کہہ رہا ہوں کہ ''قبر پر انوارات کی بارش ہو رہی تھیں اور ایسی پر نور قبر کہ اندھے سے اندھوں کو بھی نور محسوس ہو''۔

حقیقت میں قسطنطینیہ تو دورِ رسالت کے بعد پانچ یا چھ صدیوں کے بعد فتح ہوا؛ لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ: قسطنطینیہ کی فتح کی بنیاد حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رکھ دی تھی۔

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے ''جہانِ دیدہ'' میں جس جگہ اس کا ذکر کیا ہے، وہاں یہ عجیب جملہ لکھا ہے کہ:

وفات کے بعد صدیوں تک کسی کو آپ کی آخری آرام گاہ کا علم بھی نہ تھا؛ لیکن دیکھا جائے تو قسطنطینیہ کے اصل فاتح آپ ہی ہیں، آپ ہی کے ذریعے اس سرزمین پر پہلی بار اسلام کا کلمہ پہنچا اور آپ ہی کے وسیلے سے اس خاک کو ایک صحابیٔ رسول صلی اللہ

علیہ وسلم کا مدفن بننے کی سعادت حاصل ہوئی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأرضاہ. (جہانِ دیدہ:۳۶۳)

یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے استمرار کے صیغوں کے تقاضے کو پورا کیا ''تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر'' کا جذبہ لے کر آخری گھڑی تک چلتے رہے۔

اسی کو ہمارے بعض بزرگ یوں تعبیر فرماتے ہیں:

کرتے کرتے مرنا ہے اور مرتے مرتے کرنا ہے۔

دین کے کاموں کے لیے ایسی مبارک آرزوئیں، تمنائیں، جذبات اور ارادے ہونے چاہییں اور اس کی دعا کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

ہماری ناشکری نعمت سے محرومی کا سبب نہ بن جاوے

ہمیں بھی اپنی زندگی کے لیے یہ فیصلہ کرنا ہے تو آپ سب سے ایک خاص دعا کرنے کی درخواست کرتا ہوں کہ ہمیشہ اپنے لیے اور میرے لیے بھی یہ دعا مانگا کرو کہ اللہ تعالیٰ زندگی کی آخری گھڑی تک اپنے دین کی مقبول خدمات کے لیے ہمیں قبول فرمائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری ناشکری کی وجہ سے ہم محروم کر دیے جائیں؛ اس لیے کہ وہ تو بڑے بے نیاز ہیں:

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا أَمْثَالَكُمْ. (محمد:۳۸)

ترجمہ: اور اگر تم (اللہ تعالیٰ کے دین سے) منہ پھراؤ گے تو وہ تمھاری جگہ دوسری (غیر) قوم کو بدل دیں گے اور وہ تمھارے جیسے (بخیل، نافرمان اور سست) نہیں ہوں گے۔

اس لیے زندگی کی آخری گھڑی تک ہمیں کام کرنا ہے۔

اسی لیے کہتے ہیں:

کرتے کرتے مرنا ہے اور مرتے مرتے کرنا ہے۔

اور یہی استمرار کے صیغوں کا تقاضہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائیں۔

اس لیے جماعت کے کام میں خوب حصہ لو، چوبیس (۲۴) گھنٹے جاؤ، زیادہ وقت کی جماعتوں میں بھی جاؤ، اللہ تعالیٰ اس کام اور دوسرے دینی کاموں کے لیے ہمیں قبول فرمائیں۔ آمین۔

وآخر دعواناان الحمد لله رب العالمين

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

کی حقیقت

(تیسری قسط)

اقتباس

ہم کو مدرسوں میں کتابوں کے ذریعے جو اچھی باتیں سکھلائی جاتی ہیں اور بری باتوں سے روکا جاتا ہے تو یہ بھی اس آیت کا مصداق ہے۔طلبہ اور طالبات کی اسلامی تربیت کی جاتی ہے یہ بھی امر بالمعروف ہی ہے۔

ہم خانقاہ میں جاتے ہیں، اللہ والوں کی صحبت میں جاتے ہیں، وہ ہم کو اچھی بات سکھلاتے ہیں، بری بات سے روکتے ہیں تو وہ بھی ''تأمرون بالمعروف'' کے مصداق ہیں۔

اصلاحِ معاشرہ کی جو محنت ہوتی ہے اور اس محنت کے ذریعہ اچھی باتیں سکھلائی جاتی ہیں اور بری باتوں سے روکا جاتا ہے وہ بھی اس آیتِ کریمہ کے مصداق ہیں۔

مصنفین، مؤلفین کتابیں لکھتے ہیں اور مضامین لکھتے ہیں، رسالے لکھتے ہیں اور اس میں اچھی باتیں سکھلاتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں تو وہ بھی اس آیتِ کریمہ کے مصداق ہیں۔

جو حضرات نصیحت کے ذریعہ، بیانات کے ذریعے اچھی باتیں سکھلاتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں وہ بھی اس آیت کے مصداق ہیں۔

اس لیے ہمیں کشادہ دماغ رکھنا ہے، اپنی سوچ اور فکروں کو کشادہ اور وسیع رکھنا ہے، ایک خاص دائرے میں محدود اور تنگ کر کے نہیں رکھنا ہے؛ اس لیے کہ یہی چیز نزاع اور جھگڑے کا سبب بنتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ،وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِاَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا،مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ،وَنَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ،وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَاوَحَبِیْبَنَا وَاِمَامَنَاوَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ،صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ، وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ.(آل عمران: ۱۱۰)

ترجمہ: تم (اے امتِ محمدیہ!) بہترین امت ہو جو (عالم میں عام) لوگوں کے فائدے کے لیے بھیجی گئی ہو، تم اچھا کام کرنے کے لیے کہتے ہو اور تم بری بات سے روکتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر کی کتابوں میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تفصیلات

اس آیت کے سلسلے میں جب تفسیر کی کتابوں کو اٹھانا اور دیکھنا شروع کیا تو بلا مبالغہ آپ سے کہتا ہوں کہ اتنا مواد کتابوں میں لکھا گیا ہے کہ اگر ایک سال تک مسلسل ہر بدھ کو آدھا گھنٹہ بیان کروں تب جا کر اس کی تفصیلات مکمل ہو سکے؛ لیکن آج کی مجلس میں ان شاء اللہ اس مضمون کو پورا کر ہی دیتا ہوں؛ تاکہ آپ حضرات کو ہر بدھ کو تاخیر کی

زحمت گوارا نہ کرنی پڑے۔

شریعت میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کسے کہتے ہیں؟

آج مختصراً یہ بتلانا ہے کہ شریعت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کسے کہتے ہیں؟ یہ لفظ قرآن میں متعدد مقامات پر آیا ہے؛ اس لیے اس کو بہت اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔

معروف کا مطلب

معروف کی ایک تعریف مفسرین نے یہ کی ہے کہ:

وہ تمام نیکیاں اور بھلائیاں جس کا دینِ اسلام نے حکم دیا ہے، ان کو معروف کہتے ہیں۔

دوسری تعریف یہ کی ہے کہ:

معروف ان تمام نیکیوں کو کہا جاتا ہے جس کو ہر ہر نبی نے اپنے اپنے زمانے میں پھیلانے کی کوشش کی ہے۔

تیسری تعریف یہ کی ہے کہ:

شریعت کی نظر میں جو اچھی بات ہوگی اور جو اچھا کام ہوگا اس کو معروف کہا جائے گا۔

چوتھی تعریف یہ کی ہے کہ:

جو بات اور جو کام قرآن اور سنت کے مطابق ہو، قرآن اور حدیث کے مطابق

ہواس کو معروف کہتے ہیں۔

پانچویں تعریف یہ کی ہے کہ:

جتنی طاعات اور عبادات ہیں ان تمام عبادتوں اور طاعتوں کو معروف کہا جاتا ہے۔

لفظِ معروف کے استعمال کی وجہ

مفسرین ایک بڑے نکتے کی بات لکھتے ہیں کہ: ہماری کمزور سمجھ یہ کہتی ہے کہ یہاں واجب اور جائز کا لفظ استعمال ہونا چاہیے؛ لیکن اس کے بجائے ''معروف'' کا لفظ کیوں استعمال ہوا؟

حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ''معروف'' عرف اور عام بول چال میں ہر جانی پہچانی چیز کو کہا جاتا ہے، جو شخص جانا پہچانا ہوتا ہے ہم اس کو کہتے ہیں کہ: یہ معروف شخصیت ہے۔

بہرحال! جانی پہچانی چیز کو معروف کہتے ہیں۔

آیتِ کریمہ میں لفظ ''معروف'' کو استعمال کرنے سے یہ نکتہ نکلتا ہے کہ اس نیکی یعنی امر بالمعروف کا نیکی ہونا اور بھلائی ہونا اس امت کی نظر میں معروف اور جانا پہچانا ہے؛ یعنی امت اس کو جانتی ہے کہ یہ نیکی کا کام ہے اور بھلائی کا کام ہے۔

منکر کا مطلب

اس کے مقابلے میں منکر کی تعریف بھی سن لو! حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

منکر ہر ایسے کام کو کہتے ہیں جو شریعت کی نظر میں برا ہو۔

دوسری تعریف یہ ہے کہ:

جس کام کے حرام اور ناجائز ہونے پر تمام علما کا اتفاق ہو اس کو منکر کہتے ہیں۔

تیسری تعریف یہ کی ہے کہ:

کفر و شرک، بدعات و رسومات، فسق و فجور اور ہر قسم کی بداخلاقی کو منکر کہا جاتا ہے۔

چوتھی تعریف یہ کی گئی ہے کہ:

جو کام قرآن اور حدیث کے خلاف ہو وہ منکر ہے۔

اور ایک تعریف یہ بھی ہے کہ:

تمام معصیت اور گناہ کے کام منکر ہیں۔

ان تمام تعریفات کا خلاصہ بعض مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ: جس کام کا ناجائز ہونا قرآن وحدیث سے معلوم ہو، ان تمام کاموں کو منکر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اصل معیار شریعت ہے

اب ان تعریفات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ جتنے کام شریعت کی نظر میں نیکی کہلاتے ہیں اور جتنے کام شریعت کی نگاہ میں اچھے کہلاتے ہیں وہ معروف ہیں اور جتنے کام شریعت کی نظر میں برے کہلاتے ہیں ان کو منکر کہا جاتا ہے۔

ایک ایمان والے کی نظر میں اصل معیار شریعت ہی ہے؛ اس لیے کہ دنیا میں بہت سارے کام ایسے ہیں کہ ایک آدمی اس کو اچھا سمجھتا ہے اور دوسرا آدمی برا سمجھتا ہے۔

تو اگر انسان کی رائے سے معروف اور منکر کی تعین کرنی ہوتی تو دنیا میں بڑے اختلافات اور بڑے جھگڑے پیدا ہوجاتے کہ ایک انسان ایک چیز کو اچھا کہتا ہے اور

دوسرا اس کو برا کہتا ہے؛ اسی لیے سب سے بڑا معیار شریعت ہے کہ جو چیز شریعت کی نظر میں اچھی وہ معروف اور جو چیز شریعت کی نظر میں بری وہ منکر، اس لحاظ سے یہ مفہوم تو بہت عام ہے۔

اور لفظ ''تـأمـرون'' اس کا ایک معنی آتا ہے ''حکم دینا'' اور دوسرا معنی آتا ہے ''سکھلانا'' کہ تم اچھی بات سکھلاتے ہو اور اچھے کام کا حکم دیتے ہو اور بری بات سے روکتے ہو۔

دین کے تمام شعبے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں داخل ہیں

یہ جو ساری تعریفات بیان کی گئیں اس کا ایک خاص مقصد یہ تھا کہ ہمیں اپنی سوچ اور فکر کو وسیع اور کشادہ بنانے کی ضرورت ہے کہ:

امت کا جو آدمی، جو ادارہ، جو فرد لوگوں کو اچھی باتیں سکھلاتا ہو وہ اس آیتِ کریمہ کا مصداق ہے، اس کو اس آیت میں آئی ہوئی بشارت ملے گی۔

ہم کو مدرسوں میں کتابوں کے ذریعے جو اچھی باتیں سکھلائی جاتی ہیں اور بری باتوں سے روکا جاتا ہے تو یہ بھی اس آیت کا مصداق ہے۔ طلبہ اور طالبات کی اسلامی تربیت کی جاتی ہے یہ بھی امر بالمعروف ہی ہے۔

ہم خانقاہ میں جاتے ہیں، اللہ والوں کی صحبت میں جاتے ہیں، وہ ہم کو اچھی بات سکھلاتے ہیں، بری بات سے روکتے ہیں تو وہ بھی ''تـأمرون بـالمعروف'' کے مصداق ہیں۔

اصلاحِ معاشرہ کی جو محنت ہوتی ہے اور اس محنت کے ذریعہ اچھی باتیں سکھلائی

جاتی ہیں اور بری باتوں سے روکا جاتا ہے وہ بھی اس آیتِ کریمہ کے مصداق ہیں۔

مصنفین، مؤلفین کتابیں لکھتے ہیں اور مضامین لکھتے ہیں، رسالے لکھتے ہیں اور اس میں اچھی باتیں سکھلاتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں تو وہ بھی اس آیتِ کریمہ کے مصداق ہیں۔

جو حضرات نصیحت کے ذریعہ، بیانات کے ذریعے اچھی باتیں سکھلاتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں وہ بھی اس آیت کے مصداق ہیں۔

بلکہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:
امر بالمعروف یعنی اچھی بات سکھلانا اور بری بات سے روکنا اس کا بہترین ذریعہ وعظ اور نصیحت ہے کہ اس کے ذریعہ آدمی ایک بہت بڑے مجمع کو ایک وقت میں اچھی بات سکھلا سکتا ہے اور بری بات سے روک سکتا ہے۔

اس لیے ہمیں اپنی ذہنی سوچ کو تنگ نہیں رکھنا ہے، وسعت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

میں نے پہلی مجلس میں کہا تھا کہ: اب یہ ہوگیا ہے کہ جماعت والے جب بھی کھڑے ہوں گے تو وہ ''کنتم خیر أمة الخ'' پر ہی بیان کریں گے۔

کوئی اس آیت پر بیان کرنے کھڑا ہوگیا تو لوگ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ یہ تبلیغی ہے۔

یہ سوچ، یہ نظریات غلط ہیں، جو بھی آدمی، جس شکل میں بھی اچھی بات سکھلائے اور بری بات سے روکے وہ اس آیت کی بشارت کا مصداق ہوگا اور اس شخص کو اس آیت کی فضلیت حاصل ہوگی۔

اس لیے ہمیں کشادہ دماغ رکھنا ہے، اپنی سوچ اور فکروں کو کشادہ اور وسیع رکھنا ہے، ایک خاص دائرے میں محدود اور تنگ کر کے نہیں رکھنا ہے؛ اس لیے کہ یہی چیز نزاع اور جھگڑے کا سبب بنتی ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ایمان باللہ پر مقدم کرنے کی وجہ

آخر میں فرمایا: ''وتؤ منون باللّٰہ'' کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

یہاں ایک علمی اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایمان باللہ تو اصل چیز ہے تو پھر یہاں اس کو مؤخر کیوں کیا گیا اور ''تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر'' کو مقدم کیوں کیا گیا؟

اور ہم سب جانتے ہیں کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل قابلِ قبول نہیں، امر بالمعروف بھی نہیں اور نہی عن المنکر بھی نہیں، ایمان کے بغیر کوئی عمل قابلِ قبول ہوتا ہی نہیں، پھر آیتِ کریمہ میں اس کو مؤخر کیوں کیا گیا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: یہ قرآن مجید کا ایک طرز اور ایک خاص انداز ہے کہ جب کسی چیز کی اہمیت کو اور اس کی عظمت کو بیان کرنا ہو تو اس چیز کو مقدم کیا جاتا ہے۔

اور جس چیز کو سب جانتے ہیں کہ یہ بات تو سب سے اہم ہی ہے تو اس کو مؤخر کر دیا جاتا ہے۔

اور ساری دنیا جانتی ہے کہ ایمان باللہ سب سے اہم چیز ہے اور ایمان کی اہمیت میں کوئی دو رائے ہو ہی نہیں سکتی۔

اس لیے جو چیز اہمیت میں مسلّم ہے یعنی ''تؤ منون باللّٰہ'' اس کو مؤخر کیا گیا اور

جس کی اہمیت سمجھانی ہے، جس کی اہمیت بتلانی ہے اس کو مقدم کیا گیا یعنی ”تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر“۔

آیتِ کریمہ کا لبِ لباب اور خلاصہ

فرمایا: ”كنتم خير أمّة“ تم بہترین امت ہو ”أخرجت للناس“ اللہ تعالیٰ نے تم کو لوگوں کے لیے ظاہر کیا ہے ”تأمرون بالمعروف“ تم لوگوں کو اچھی باتیں سکھلاتے ہو ”وتنهون عن المنكر“ اور بری باتوں سے روکتے ہو ”وتؤمنون بالله“ اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی اس آیتِ کریمہ کا لبِ لباب اور خلاصہ نکلتا ہے۔

ایسا نہیں ہونا چاہیے

بس آخر میں ایک آیت سنا دیتا ہوں، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَمَآ أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ، الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِيْن. (الحجر: ۹۰)

ترجمہ: (جیسا آپ پر سورۂ فاتحہ اور قرآنِ عظیم اتارا) ایسے ہی تقسیم کرنے والوں (یہود ونصاریٰ) پر بھی ہم نے (پہلی کتابیں) اتاری تھیں، جنھوں نے (قرآن کو) ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔

اس آیت کی علما نے متعدد تفاسیر کی ہیں، اس میں سے ایک تفسیر یہ ہے کہ: کافر لوگ قرآن مجید کو استہزا کے طور پر تقسیم کرتے تھے، بانٹ لیتے تھے، قرآن کی آیتوں کو بوٹیوں کی طرح چھوٹے ٹکڑے کر ڈالتے تھے۔

جب قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوتی تھی اور اس میں ''مائدہ'' کا ذکر ہوتا تو ایک کافر دوسرے کافر کو کہتا: بالفرض قیامت آ گئی تو ''مائدہ یعنی دسترخوان'' تو لینا۔

اور جب ''بقرہ'' کا نزول ہوتا تو ایک کافر دوسرے کا فر کو کہتا تو ''بقرہ یعنی گائے'' لینا۔

اور جب ''زقوم'' کا نزول ہوتا تو ایک کافر دوسرے کافر کو کہتا تو ''زقوم'' کھانا۔ اس طرح وہ لوگ قرآن مجید کو بانٹ لیا کرتے تھے۔

اس آیتِ کریمہ کے ذریعہ ایک لطیف اشارہ یہ نکلتا ہے کہ اے امتِ محمدیہ! تم ان کافروں کی طرح قرآن مجید کی آیتوں کو آپس میں مت بانٹنا؛ یعنی ایک طبقے کے لوگ ایک آیتِ کریمہ کو اپنے مطلب کے لیے استعمال کریں اور دوسرے طبقے کے لوگ اس سے بالکل غافل اور بے خبر رہیں کہ یہ آیت ہمارے لیے نہیں ہے، یہ تو فلاں جماعت یا طبقے کے لوگوں کے لیے ہے، ہم مخاطب نہیں ہیں، ایسا نہ سمجھے، پورے قرآن کی پوری تعلیمات پوری امت کے لیے ہیں۔

جیسے آج کل یہ ماحول ہو گیا ہے کہ:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ.(الزمر:۹)

ترجمہ: (اے نبی!) تم کہہ دو کہ: کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو لوگ جانتے نہیں ہیں وہ برابر ہو سکتے ہیں؟

یہ صرف اہلِ علم کے لیے ہیں۔

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى.(الأعلیٰ:۱۴)

ترجمہ: جو شخص (ظاہری و باطنی ناپاکی سے) پاک ہوگیا تو یقیناً اس نے کامیابی حاصل کرلی۔

یہ صرف خانقاہ والوں کے لیے ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ. (آل عمران: ۱۱۰)

ترجمہ: تم (اے امتِ محمدیہ!) بہترین امت ہو جو (عالم میں عام) لوگوں کے فائدے کے لیے بھیجی گئے ہو، تم اچھا کام کرنے کے لیے کہتے ہو اور تم بری بات سے روکتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

یہ صرف تبلیغ والوں کے لیے ہے۔

اگر ہماری ذہنیت اور سوچ یہ رہی تو اللہ تعالیٰ ہی حفاظت میں رکھے، کہیں ہم اس آیت کے مصداق نہ بن جائیں جس میں ان مشرکوں کے بارے میں وعید بیان کی گئی ہے جنھوں نے قرآن کی آیتوں کو تقسیم کیا اور اس کو ایک خاص نظریات پر منطبق کیا۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں ایک بات یہ بھی آئی ہے کہ بانٹنے والوں سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہود و نصاریٰ ہیں جن کا کام یہ تھا کہ قرآن کا جو مضمون ان کی تحریفات، ان کی خود رائی اور خواہش کے مطابق ہو تو اس کو مان لو اور جو ان کی اپنی چاہت کے خلاف بات ہو اس کو نہ مانو۔

اس طرح قرآن اور دین کو اپنی چاہت کے تابع بنانے والوں کے لیے اس آیت میں تنبیہ کی گئی ہے۔

ہم کہنے کو تو کہہ دیتے ہیں کہ: قرآنِ کریم پوری انسانیت کے لیے ہے، پوری امت کے لیے ہے، پھر ہم اس کو اس طرح بانٹ کر کے اپنے لیے کیوں کر خسارہ کا سامان تیار کرتے ہیں۔

دین کا ہر شعبہ برحق ہے

بہر حال آپ کو پچھلی مجلس میں بتلایا گیا تھا کہ یہ تمام صیغے مضارع کے ہیں ''تأمرون، تنهون، تؤمنون'' یہ سب استمرار کو بتلاتے ہیں؛ اس لیے ہمیں مسلسل یہ دعوت و تبلیغ کا کام یعنی ''اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا'' یہ کام کرتے رہنا ہے۔

اور یہ آیتِ کریمہ جو اتنی تفسیر کے ساتھ بیان کی گئی اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آج امت میں جو غلو ہو رہا ہے اور امت میں جو فرقہ بندی ہو رہی ہے اس غلو اور فرقہ بندی سے ہمیں خود بھی بچنا ہے اور دوسروں کو بھی بچانا ہے اور وسعتِ ظرفی سے کام لینا ہے؛ اس لیے کہ دین کا ہر کام حق ہے، تبلیغ کا کام بھی حق، خانقاہ بھی حق، مدارس اور مکاتب بھی حق، ہر کام کی امت کو ضرورت ہے، ہر سلسلہ برحق ہے اور فائدہ مند ہے۔

کوئی یہ نہ کہے کہ: یہ دعوت و تبلیغ کا کام اس زمانے میں کشتیٔ نوح ہے کہ جو اس میں بیٹھے گا، وہی نجات پائے گا اور جو نہیں بیٹھے گا وہ ڈوب جائے گا، ایسی غلط تعبیر اپنی زبان پر بھولے سے بھی مت لانا، یاد رکھو! دین کا ہر شعبہ برحق ہے، ہر ایک نفع بخش ہے۔

اللہ ایسی وسعتِ ذہنی کے ساتھ ہمیں زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسی لیے خوب اس تبلیغ کے کام میں لگو، محنت کرو۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوناأن الحمد لله رب العالمين

دنیا کی سب سے پہلی خاتون

ماں حوّا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

(پہلی قسط)

اقتباس

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس درخت کے پاس بھی مت جانا۔

سمجھ میں آیا کہ جو گناہ کی چیز ہو تو اس کے پاس بھی مت جاؤ، جو آدمی گناہ کے پاس جائے گا وہ گناہ میں پڑ جائے گا اور جو گناہ سے دور رہے گا اللہ تعالیٰ گناہ سے اس کی حفاظت کریں گے۔

اسی لیے دیکھو! قرآنِ مجید کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے کتنا کھلم کھلا (open) فرمایا:

وَلَاتَقۡرَبُوۡا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيۡلًا. (بني اسرائيل: ٣٢)

یعنی زنا کے پاس بھی مت جاؤ۔ کیا مطلب؟

کوئی اجنبی مرد اجنبی عورت کے پاس نہ جائے، بات نہ کرے، پرایا مرد پرائی عورت سے بات بھی نہ کرے، پاس میں بھی نہ جاوے؛ اس لیے کہ پاس جائیں گے تو بات کرنے کی خواہش ہوگی، بات کریں گے تو قریب اور بے تکلف ہونے کا دل چاہے گا، بے تکلف ہوں گے تو آہستہ آہستہ زنا ہوگا۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مہربانی ہے، جیسے بچہ چولہے کے قریب جاتا ہے تو اندر گرنے کا خطرہ رہتا ہے، ایک شفیق باپ اور ماں بچے کو آگ کے قریب جانے سے بھی روکتے ہیں، اللہ تعالیٰ تو ماں سے بھی زیادہ مہربان ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ،وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا،مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِىَ لَهٗ،وَنَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ،وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ شَفِيْعَنَاوَحَبِيْبَنَا وَاِمَامَنَاوَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ،صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَاَهْلِ طَاعَتِهٖ، وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً كَثِيْراً...... اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا،وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْن ﴿۳۵﴾فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ،وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ،وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا،فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْن ﴿۳۸﴾وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ،هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ . (البقرۃ:۳۹)

ترجمہ: اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمھاری بیوی جنت میں رہو اور تم دونوں اس (جنت) میں سے (جو چاہو) جہاں سے چاہو خوب جی بھر کر کھاؤ اور (اے آدم وحوا!) تم دونوں اس خاص درخت کے قریب مت جانا ورنہ تم دونوں نقصان اٹھانے والوں

میں سے ہو جاؤ گے (۳۵) ان دونوں (آدم اور حوا) کو شیطان نے اس (درخت) کی وجہ سے پھسلا دیا، سو وہ دونوں (آدم وحوا) اس (جنت) میں (عزت وراحت سے) جس مزے میں رہتے تھے اس سے اس (شیطان) نے ان دونوں کو نکال دیا اور ہم نے حکم دیا کہ تم سب (آدم، حوا اور شیطان نیچے دنیا میں) اتر جاؤ، تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بن کر رہو گے اور تمھارے لیے زمین میں ایک مدت (قیامت) تک کے لیے ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا (طے کر دیا گیا) ہے (۳۶) پھر آدم نے (پورے شوق کے ساتھ) اپنے رب سے (توبہ کے) چند کلمات سیکھ لیے (سو آدم نے ان کلمات کے ذریعہ سے توبہ کی) تو اس (اللہ تعالیٰ) نے ان کی توبہ قبول کر لی، یقیناً وہی (اللہ) بہت بڑے توبہ قبول کرنے والے، بہت مہربان ہیں (۳۷) ہم نے حکم دیا کہ تم سب (جنت سے) نیچے (دنیا میں) اتر جاؤ، سو میری طرف سے تمھارے پاس جو ہدایت آوے تو جو بھی میری (بھیجی ہوئی) ہدایت پر چلے گا تو ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور وہ غمگین (بھی) نہیں ہوں گے (۳۸) اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ آگ میں جانے والے ہیں، اس (آگ) میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے (۳۹)۔

یہ سورۂ بقرہ جو قرآن میں دوسرے نمبر کی سورت ہے جس کو ہم "الـــــم" کی سورت کہتے ہیں، اس کی آیت نمبر ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸ ہے۔

نیک خواہش

میری دینی بہنو! ایک نیت کی ہے، آپ بھی دعا کریں، میں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس نیت کو اپنے فضل سے پورا فرمائے اور پوری دنیا کی قیامت

تک آنے والی تمام مسلمان بہنوں اور تمام مسلمان بھائیوں کے لیے اللہ تعالیٰ اس کو فائدے کا ذریعہ بنائے، آمین۔

قرآن مجید میں بہت ساری عورتوں کے اللہ تعالیٰ نے قصے بیان فرمائے ہیں تو ابھی یہ نیت کی ہے کہ قرآن میں جتنی بھی عورتوں کے قصے آئے ہیں ان تمام عورتوں کو قصے میں آپ کو ایک کے بعد ایک سناؤں۔

الحمدللہ! پچھلے سالوں میں اس میں سے بعض قصے ہو چکے ہیں جو c.d. میں بھی محفوظ ہیں، اور الحمدللہ! اس میں سے بہت سارے قصے بیانات کے جو چھ حصے اردو، گجراتی میں آئے ہیں، اس میں بھی موجود ہیں۔

جو پہلے بیان ہو چکے اور کتاب میں چھپ گئے ان کے علاوہ ابھی جن جن عورتوں کے قصے قرآن میں سے باقی ہیں وہ ان شاء اللہ میں آپ کو ایک کے بعد ایک سناتا ہوں۔

اور جب قرآن کے قصے پورے ہو جائیں گے تب ان شاء اللہ حدیث پاک میں آئے ہوئے عورتوں کے قصے آپ کو سنائیں گے۔

دنیا کی سب سے پہلی خاتون

یہ قصہ جو آج ہم شروع کر رہے ہیں وہ ایک ایسی عورت کا قصہ ہے:

جو اس دنیا میں انسانوں میں سب سے پہلی عورت ہے۔

تمام عورتوں کی ماں ہیں۔

ایک مرد کے سوا تمام مردوں کی ماں ہیں۔

ایک انسان کے سوا تمام انسانوں کی ماں ہے۔

ان کا پیارا نام ہے ''حضرت حوّا رضی اللہ عنہا''۔

یہ وہ خوش نصیب عورت ہیں کہ جن کی پیدائش آسمانوں پر ہوئی، باقی تمام عورتوں کی پیدائش زمین پر ہوئی اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔

بعض تفسیر کی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ماں حوا کی پیدائش جنت میں ہوئی اور بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ جنت کے باہر کسی جگہ پر آسمانوں میں ان کی پیدائش ہوئی۔

ماں حوا وہ خوش نصیب عورت ہیں کہ ان کی پیدائش میں کوئی عورت نہیں ہے۔ دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ کسی عورت سے دوسری لڑکی یا دوسرا لڑکا پیدا ہوتا ہے؛ لیکن ماں حوا وہ عورت ہیں کہ بغیر کسی عورت کے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک مرد سے پیدا فرمایا ہے، وہ ہیں حضرت آدم علیہ السلام۔

سب سے پہلے انسان اور نبی

ان کے شوہر (husband) حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان ہیں اور پہلے نبی ہیں۔

سب سے پہلے انسان آدم علیہ السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن پیدا فرمایا، جمعہ کے دن جنت میں داخل فرمایا اور جمعہ ہی کے دن جنت سے روانہ کر کے دنیا میں بھیجا۔

یہ جسدی اور جسمانی اعتبار سے روایت ہے، ورنہ عالمِ ارواح کے اعتبار سے اول ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی بھی ہیں اور رسول بھی ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا شرف

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنی روح پھونکی، قرآن میں ہے:

فَاِذَاسَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهُ سَاجِدِيْنَ. (الحجر: ۲۹)

سو جب میں اس (انسان) کو پوری طرح بنالوں اور اپنی جان اس میں پھونک دوں تو تم سب (فرشتے) اس (انسان) کے آگے سجدے میں گر جانا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد میں نے خود آدم علیہ السلام میں اپنی روح پھونکی، یہ ان کے لیے بہت بڑی شرافت کی بات تھی۔

اور خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ان الله اصطفیٰ آدم.

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں حضرت آدم علیہ السلام کو ایک خاص مقام عطا فرمایا، علمی اور روحانی کمالات عطا فرمائے، علمی کمال ظاہر کرنے کے لیے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدے کا حکم دیا، بہت ساری چیزوں کے نام اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے جو فرشتے نہیں جانتے تھے۔

تفسیر کی ایک عجیب بات

میں آپ کو ایک عجیب تفسیر کی بات بتلاؤں، امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے - جو بہت بڑے مفسر ہیں - حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت عبد اللہ ابن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت میں پیدا فرمایا، آپ جنت میں رہتے تھے، جنت میں ہر قسم کی نعمتیں تھیں: کھانا، پینا، مکان؛ لیکن آدم علیہ السلام کو جنت میں وحشت اور گھبراہٹ ہوتی تھی، اکیلا پن لگتا تھا؛ اس لیے کہ وہاں پر ان کا ساتھ دینے کے لیے کوئی نہیں تھا، ان کی بیوی نہیں تھی، وہ اکیلا پن محسوس کرتے تھے۔

نیند نعمتوں سے محرومی کا سبب ہے

ایک مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام سو گئے۔

اور دینی بہنو! یاد رکھنا آدم علیہ السلام جب جنت میں تھے تب انھوں نے سولیا، نیند نکال لی، اب قیامت کے بعد جب دوسری مرتبہ اللہ تعالیٰ ہم کو جنت میں داخل کریں گے تب جنت میں سونا نہیں ملے گا، نیند نہیں ملے گی؛ اس لیے کہ جتنی دیر آدمی سوتا ہے اتنی دیر نعمتوں سے محروم رہتا ہے؛ اس لیے جنت نیند کی جگہ نہیں ہے:

اَلَّذِيْ أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ، لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ. (الفاطر: ۳۵)

ترجمہ: جس (اللہ تعالیٰ) نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ آباد رہنے کے گھر میں اتارا ہے جس میں ہم کو کوئی مشقت نہیں پہنچے گی اور اس میں کوئی تھکن بھی ہم کو نہیں لگے گی۔

جنت میں تھکن نہیں ہوگی، جنت میں آدمی تھکے گا نہیں اور جب تھکے گا نہیں تو نیند کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا کی سب سے پہلی بات چیت

حضرت آدم علیہ السلام سو گئے، جب نیند سے بیدار ہوئے تو ان کے سر کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔

آدم علیہ السلام نے اس عورت کو پوچھا: تم کون ہو؟

تو وہ عورت کہنے لگی: میں ایک عورت ہوں۔

آدم علیہ السلام نے پوچھا: تم کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟

تو اس عورت نے جواب میں کہا کہ: مجھے اس لیے پیدا کیا گیا ہے؛ تاکہ تم مجھ سے راحت، سکون اور انس حاصل کرو۔

عورتوں کے لیے ایک اہم سبق

میری دینی بہنو! اس سے آپ تمام کو یہ سبق ملا کہ پہلی عورت جس کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں پیدا کیا تھا وہ عورت خود اپنے شوہر کو بتلاتی ہے کہ عورت کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے پیدا کیا؛ تاکہ مرد کو راحت ملے، شوہر کو سکون ملے، شوہر کو انس ملے۔

اس لیے اپنے شوہر کو راحت پہنچاؤ، انس پہنچاؤ، سکون پہنچاؤ۔

خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کی ایک آیت میں ارشاد فرمایا:

وَ مِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ،اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ. (الروم: ۲۱)

ترجمہ: اور اس (اللہ تعالیٰ) کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تمھارے

(فائدے کے) لیے تم ہی میں سے بیویاں بنائی؛ تا کہ تم ان کے پاس جا کر سکون (چین) حاصل کرو اور اس نے تم میاں بیوی کے درمیان محبت اور رحمت (ہمدردی کے جذبات) پیدا کر دیے، یقیناً اس میں جو لوگ دھیان کرتے ہیں ایسی قوم کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

خود یہ آیت بتلاتی ہے کہ عورت کو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی اس لیے کیا؛ تا کہ مرد اس عورت سے سکون حاصل کر سکے۔

حضرت حوا ﷺ کی پیدائش کا عجیب قصہ

اب کیسے پیدائش ہوئی؟ بڑا عجیب قصہ ہے، میں آپ کو سناتا ہوں:

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام میٹھی نیند سوئے ہوئے تھے، تو یہ جو ہمارا سینہ(chest) ہوتا ہے، ہماری پسلیاں یہ سینے(chest) کے اندر ایک تو سیدھی طرف(right side) ہیں، وہاں اٹھارہ(۱۸) پسلیاں ہیں اور دوسری بائیں طرف(left side) ہیں اور وہاں سترہ(۱۷) پسلیاں ہیں۔

اور یہ جو chest کی پسلی ہوتی ہے اس میں جو بائیں طرف کی پسلی ہے اس پسلی میں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو پیدا فرمایا اور پسلی میں نرمی ہوتی ہے؛ اس لیے عام طور پر عورتوں کے مزاج میں بھی نرمی دیکھنے کو ملتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی میں سے تھوڑا سا مادہ نکالا اور مادہ نکال کر اللہ تعالیٰ نے اس میں سے ماں حوا ﷺ کو پیدا فرمایا۔

عورت پسلی سے بنی ہے اس لیے!!!

اس سے ہم کو کچھ باتیں اور بھی سیکھنے کو ملی:

(۱) پسلی بدن میں کمزور ہڈی ہے، معلوم ہوا کہ عورت کمزور ہڈی سے بنی ہے؛ اس لیے ''ضرب یضرب'' کے مختلف صیغے نہ آزمائیں جائیں، باکسینگ (BOXING) کی مشق کی گیند (BOOL) نہیں ہے کہ اس کی مار پیٹ کی جاوے۔

(۲) پسلی دل کے قریب ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ عورت کی محبت دل میں رہنی چاہیے۔

(۳) عورت کے مزاج میں پسلی کی طرح ٹیڑھا پن ہے، اس کے ٹیڑھے پن کے باوجود اس کے ساتھ نبھاؤ کر لیوے یہ مرد کا کمال ہے۔

البتہ بالکل ٹیڑھے پن پر چھوڑے نہ رکھے، ورنہ ٹیڑھا پن بڑھتا جائے گا، حکمت سے اصلاح کی کوشش بھی کرے۔

ماں ''حوا'' دنیا کی سب سے زیادہ خوب صورت عورت

ماں حوا رضی اللہ عنہا بہت خوب صورت تھیں؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں پیدا کیا اور قیامت تک آنے والی تمام عورتوں اور مردوں کی ماں تھیں؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت خوب صورت پیدا فرمایا۔

پیدا فرما کر کے اللہ تعالیٰ نے ماں ''حوا'' رضی اللہ عنہا کو ایک طرف بٹھا دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام میٹھی نیند سوئے ہوئے تھے، ان کو کچھ پتہ ہی نہیں چلا کہ میرے جسم

(body) میں سرجری (surgery) ہوئی، میری پسلی میں سے اللہ تعالیٰ نے کچھ نکال کر کے عورت کو پیدا کیا۔

مرد کا اپنی بیوی سے محبت کرنے کا راز

مفسرین لکھتے ہیں کہ: اگر آدم علیہ السلام کو پتہ چلتا کہ میری پسلی میں سے کچھ نکالا جارہا ہے اور آدم علیہ السلام کو تکلیف ہوتی تو قیامت تک دنیا میں کوئی مرد اپنی عورت سے محبت نہیں کرتا؛ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہوئی کہ آدم علیہ السلام میٹھی نیند سلا دیے گئے اور نیند میں ان کی پسلی میں سے اللہ تعالیٰ نے تھوڑا سا مادہ نکالا اور اس کی جگہ گوشت رکھ دیا گیا اور آدم علیہ السلام کو پتہ بھی نہیں چلا، تکلیف بھی نہیں ہوئی، اسی کی برکت سے مرد اپنی عورت سے محبت کرتے ہیں اور ساتھ میں بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میاں بیوی میں محبت کے جذبات بھی پیدا کیے گئے ہیں۔

نکاح سے پہلے مرد اور عورت کا ملنا جائز نہیں

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام جب نیند میں سے بیدار ہوئے اور ادھر اُدھر دیکھا تو آج تک جنت میں اکیلے تھے اب جنت میں کوئی ساتھی بھی نظر آیا، کوئی ساتھ (company) دینے والا نظر آیا اور وہ تھی ایک عورت ماں حوا رضی اللہ عنہا۔

جب ان کو دیکھا تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان کے پاس جانے کا ارادہ کیا کہ پاس میں جائیں؛ مگر جیسے ہی قریب جانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے آواز لگائی اور کہا: یا آدمُ! مَهْ وَ أَدِّ مَهْرَها.

اے! آدم رک جاؤ، ٹھہر جاؤ، پہلے اس عورت کا مہر ادا کرو، نکاح پڑھو اس کے بعد اس عورت کے پاس جانا۔

پیاری بہنو! یہ قصہ جنت میں ہو رہا ہے، جنت میں جہاں آدم علیہ السلام کے لیے ماں حوا کو پیدا کیا گیا وہاں پر بھی فرشتوں نے نکاح اور مہر کے بغیر حضرت آدم علیہ السلام کو ماں حوا کے پاس جانے سے روک دیا۔

اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ کوئی عورت، کوئی بہن کسی پرائے مرد کے پاس نہ جائیں، کسی پرائے مرد کو اپنے پاس آنے نہ دے، نکاح پہلے ہو جائے، اس کے بعد کسی مرد کو اپنے پاس آنے دے یا خود کسی مرد کے پاس جائیں۔

نکاح کا مہر: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود

حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا:

وَمَامَهْرُهَا؟

فرشتے! بتاؤ، کیا مہر دینا ہوگا؟

سبحان اللہ! عجیب جواب ملا!

فرشتوں نے جواب دیا: -اللہ تعالیٰ کو پوچھ کر آئے ہوں گے- خدا کو پوچھ کر کے فرشتوں نے مہر کی رقم بتائی۔

کیا بتائی؟

أَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى حَبِيْبِيْ مُحَمَّدٍ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ. وَفِيْ رِوَايَةٍ عِشْرِيْنَ مَرَّةً. (شرح الزرقانی علی مواهب اللدنية: ۱/۱۰۲)

کیا جواب ملا؟ اللہ اکبر!

کہا: اے آدم! اگر تم کو حوا سے نکاح کرنا ہے تو اس نکاح کا مہر یہ ہے کہ- جب یہ دنیا شروع ہوگی اور تم دنیا میں جاؤ گے تو تمھاری اولاد میں ہمارے آخری نبی آئیں گے جن کا نام ''حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' ہوگا- ہمارے پیارے حبیب، آخری نبی پر تین مرتبہ یا بیس مرتبہ درود پڑھ لو، یہ تمھارے نکاح کا مہر ہوگا۔

اس لیے دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت ''ابو البشر'' ہے یعنی تمام انسانوں کے ابا اور آخرت میں آپ کی کنیت ''ابو محمد'' ہوگی اور یہ آپ کا اعزاز ہوگا کہ صرف آپ کو اس کنیت سے پکارا جائے گا۔

میری دینی بہنو! سوچنے کا مقام ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی حضرت حوا رضی اللہ عنہا سے شادی ہو رہی ہے اور درود پاک پڑھنا وہاں مہر بنایا گیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو زیادہ سے زیادہ درود پڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔
خوب درود پڑھو، ان شاء اللہ اس کی بڑی برکتیں دنیا و آخرت میں آپ کو نظر آئیں گی۔

نکاح کے وقت لین دین

دوسری ایک اہم (important) بات یہ ہے کہ جب نکاح، شادی، منگنی ہو تو اس وقت صرف مہر کی بات کرنی چاہیے کہ مہر کیا ہوگا؟

باقی کتنے جوڑی کپڑے دیں گے؟

کتنے جوتے دیں گے؟

ان سب چیزوں کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے، ایک ہی بات نکاح میں سامنے

رکھنی چاہیے کہ مہر کتنا دینا ہے؟ اور مہرِ فاطمی طے کرو تو بہت ہی اچھی بات ہے، جس کی مقدار پندرہ سو اکتیس (۱۵۳۱) گرام چاندی کی ہوتی ہے، اتنی مقدار میں سونا یا چاندی یا نقد روپئے اس روز کی چاندی کی قیمت کا حساب لگا کر طے کرلو۔

نکاح خود اللہ تعالیٰ نے پڑھایا

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے درودِ پاک پڑھا، جب درود پڑھ لیا تو اللہ تعالیٰ نے خود نکاح کرایا اور نکاح میں گواہ بھی رکھے۔ نکاح میں گواہ ہونا ضروری ہے۔

عرشِ اعظم کو اٹھانے والے فرشتے نکاح کے گواہ

کس کو گواہ بنایا؟

آگے روایت میں ہے، اللہ تعالیٰ نے نکاح کراتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اشهدوا يا مَلَائِكَتي وحَمَلَةَ عَرْشِي أَنِّي زَوَّجتُ أَمَتِي حَوَّاءَ مَعَ عَبْدِي آدم. (شرح الزرقانی علی مواهب اللدنية: ۱/ ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ نے نکاح پڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اے میرے عرش کے اٹھانے والے فرشتو!

اور میرے دوسرے فرشتو!

سنو! میں نے اپنی بندی حوا کا نکاح اپنے بندے آدم کے ساتھ کروادیا۔

اس وقت چار فرشتے خدا کے عرش کو اٹھاتے ہیں اور قیامت کے دن آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔

یہ خدا کے عرش کو اٹھانے والے فرشتے بہت اعلیٰ قسم (topquality) اور بہت اونچے درجے کے فرشتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو نکاح میں گواہ بنایا اور دوسرے عام فرشتے بھی وہاں گواہ کے طور پر موجود تھے۔

شوہر سے بیوی کی پیدائش

یہاں میں آپ کو ایک نکتے (point) کی صحیح اور سچی بات بتلاؤں:

ہمیشہ یاد رکھنا! حضرت آدم علیہ السلام شوہر ہے، باپ نہیں ہے اور ماں حوا ان کی بیوی ہے۔

دیکھو اس روایت کو کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو شوہر میں سے پیدا کیا ہے، عورت پیدا ہوئی اپنے شوہر میں سے، حضرت آدم علیہ السلام شوہر تھے، ان سے اللہ تعالیٰ نے ان کی بیوی حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو پیدا فرمایا، یہ نکتے کی بات ہمیشہ ذہن میں رکھنا۔

یہ بات قرآن کی ایک دوسری آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَ نِسَاءً.(النساء: ۱)

ترجمہ: اے لوگو! تم تمھارے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک نفس (یعنی حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اس میں سے اس کے جوڑے (بیوی حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو بنایا اور ان دونوں میں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔

یعنی اسی آدم علیہ السلام میں سے اللہ تعالیٰ نے جوڑے کو پیدا فرمایا۔

یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنا؛ تاکہ اپنے شوہر کا ادب، اکرام، احترام اور خدمت

کرنے کی توفیق ہو کہ عورت ذات شوہر سے پیدا ہو کر کے آئی ہے۔

بیوی رہنے میں شوہر کے تابع ہے

جب دونوں پیدا ہو چکے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

وَقُلْنَايَا اٰدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ.(البقرة:۳۵)

ترجمہ:اور ہم نے کہا:اے آدم!تم اور تمھاری بیوی جنت میں رہو۔

یعنی آدم اور حوا!تمھارا گھر اب جنت کے اندر ہوگا، جنت میں تم کو رہنا ہے۔

اس آیت میں غور کرو! پہلے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کہا:

أنت: آدم!تم۔

پھر دوسرے نمبر پر فرمایا:وزوجك الجنة.

تمھاری بیوی جا کر جنت میں رہو۔

اس سے ایک مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو جہاں لے جا کر کے رکھنا چاہے عورت کو وہاں جا کر کے رہنا چاہیے۔

شوہر کہے کہ: چلو!مدینہ جا کر رہیں گے تو عورت کو خوشی خوشی تیار ہو جانا چاہیے کہ مدینہ جاکے رہیں گے۔

الغرض!بیوی رہنے میں شوہر کے تابع ہے،شوہر جہاں لے جا کر کے رکھنا چاہے بیوی کو وہاں جا کر کے رہنا چاہیے،اس آیت سے یہ نکتہ اور سبق نکلتا ہے۔

حضرت آدم اور حوا کونسی جنت میں رہتے تھے؟

خیر!دونوں جنت میں رہنے چلے گئے۔

کون سی جنت میں گئے؟ الگ الگ جنت ہیں۔

بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ ’’جنة المأویٰ ‘‘، جس کے متعلق ’’سورۂ نجم‘‘ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى، عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى، عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى. (النجم: ۱۳، ۱٤، ۱۵)

ترجمہ: اور پکی بات ہے کہ اس رسول نے اس (فرشتے) کو (اصلی شکل میں) ایک اور مرتبہ بھی دیکھا ہے، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس (یعنی اس بیری کے درخت کے پاس جو حد کی انتہا کے پاس واقع ہے) اس (بیری) کے پاس (آرام سے) رہنے کی جگہ ہے۔

یہ ’’جنة المأویٰ ‘‘ یعنی رہنے کی جنت میں جا کر کے حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا رہنے لگیں۔

دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ ’’جنة الخُلد ‘‘ یعنی خلد نام کی ایک جنت ہے، وہاں جا کر کے ماں حوا اور حضرت آدم علیہ السلام رہنے لگے۔

جنت میں قیام کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں بسایا، جنت میں بسانے کی حکمت بعض مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ: آپ پہلے انسان تھے؛ اس لیے آباد ترین شہر جنت میں بسایا گیا، تاکہ امن وسکون کا طریقہ سیکھ لیوے اور زندگی گزارنے کا ملکہ اور استعداد حاصل ہو جائے، نیز چوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی معرفت بھی کروانا چاہتے تھے؛ اس لیے ایک درخت کے کھانے سے منع فرما دیا۔

معلوم ہوا کہ محرمات اور ممنوعات سے بچنا آسانی سے قربِ الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

’’حوا‘‘ نام رکھنے کی وجہ

ماں حوا کا نام ’’حوا‘‘ رکھا گیا ہے، یہ کیوں رکھا گیا؟

یہ بھی ایک سوچنے کی بات ہے۔

’’حوا‘‘ کے دو معنی ہوتے ہیں:

ایک معنیٰ ہوتا ہے ’’جمع ہونا‘‘ اس لیے کہ دنیا بھر کے تمام انسان آدم علیہ السلام کے سوا ماں حوا میں جمع ہو جاتے ہیں؛ چوں کہ حضرت حوا رضی اللہ عنہا سب کی ماں ہیں؛ اس لیے جمع ہونے کی وجہ سے ان کا ’’حوا‘‘ نام رکھا گیا۔

اور دوسرا معنی حوا کا آتا ہے: حیات۔

لِأَنَّهَا أُمُّ كُلِّ حَيّ. او لأنها خلقت من حي.

حیات سے ان کا نام بن گیا حوا؛ چوں کہ وہ تمام زندہ انسانوں کی ماں ہیں؛ اس لیے ان کا نام حوا رکھا گیا۔

روایتوں میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے ان کا نام پوچھا تو خود حضرت آدم علیہ السلام نے ’’حوا‘‘ نام بتایا اور وجہ یہ بتائی کہ وہ ایک زندہ یعنی مجھ سے پیدا ہوئی ہے۔

جنت میں رہنے کی مدت

حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوّا جنت میں رہنے لگے۔

کتنا رہے؟

رہنے کا وقت الگ الگ بتایا جاتا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کی کوئی گنتی ہم کو معلوم نہیں۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ: ماں حوّا اور حضرت آدم علیہ السلام دونوں جنت میں چھ ہزار سال تک رہے ہیں، پھر دنیا میں آئے۔

بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ: ماں حوّا اور حضرت آدم علیہ السلام ایک منٹ کے لیے جنت میں رہے اور جنت کی ایک منٹ دنیا کے ایک سوتیس (۱۳۰) سال کے برابر ہوا کرتی ہے؛ گویا ایک سوتیس سال رہے۔

ایک روایت میں ہے کہ: ظہر اور عصر کے درمیان میں جتنا وقت ہوتا ہے اتنے وقت تک جنت میں رہے اور جنت کی ظہر اور عصر کے درمیان میں دوسو پچاس (۲۵۰) سال کا فاصلہ ہوتا ہے، جنت کی ظہر اور عصر کے درمیان کا وقت اتنا لمبا ہوتا ہے، غرض! دوسو پچاس سال تقریباً دونوں جنت میں رہے۔

جنت میں کھانے کی عام اجازت

اب جنت میں دونوں رہ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا:

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا. (البقرة: ۳۵)

ترجمہ: اور تم دونوں اس (جنت) میں سے (جو چاہو) جہاں سے چاہو خوب جی بھر کر کھاؤ۔

کھانے، پینے کی بات فرمائی:

آدم اور حوا! جنت میں سے جہاں سے کھانا ہو کھاؤ، جو کھانا ہو کھاؤ اور خوب جی بھر کے، پیٹ بھر کر کے کھاؤ، تینوں چیزوں کی اجازت دی:

(۱) پوری جنت میں سے کھاؤ۔

(۲) جتنا چاہو اتنا کھاؤ۔

(۳) خوب پیٹ اور جی بھر کے کھاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے آیت میں لفظ استعمال فرمایا ''رَغَدا''۔

''رغداً'' کا کیا معنی ہوتا ہے؟

جنت میں بغیر تکلیف کے نعمتیں ملیں گی

(۱) اللہ تعالیٰ کی جنت ایسی جنت ہے کہ یہاں پر کھانے، پینے کی چیز تم حاصل کرو گے اور حاصل کرنے میں تم کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی، بغیر تکلیف کے میں تم کو جنت میں نعمت دوں گا۔

دنیا میں کوئی نعمت تکلیف کے بغیر نہیں ملتی

میری دینی بہنو! دنیا میں جو نعمت ہم کو ملتی ہے اس نعمت میں کچھ نہ کچھ تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، مرد بے چارہ کمانے کی تکلیف اٹھاتا ہے اور ہماری دینی بہنیں بے چاری پکانے کی تکلیف اٹھاتی ہیں، دنیا میں تکلیف ہے، جنت میں جو نعمتیں ہیں ان نعمتوں کے ملنے میں کوئی تکلیف نہیں، دل میں ارادہ کیا اور وہ چیز سامنے آجائے گی، وہ کھانا سامنے آجائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ایسی جنت عطا فرمائیں۔ آمین

جنت کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی

(۲) جنت میں اللہ تعالیٰ جو نعمت دیں گے ''رَغَدًا'' وہ کم بھی نہیں ہوگی اور ختم بھی نہیں ہوگی۔

دنیا میں تو ہمیں دیکھتے رہنا پڑتا ہے کہ چاول کا ذخیرہ (rice stock) کم ہو رہا ہے تو نئے چاول منگوانے کی فکر کرو، تیل ختم ہو گیا تو نیا منگوانے کی فکر کرو، جنت میں کوئی نعمت کم بھی نہیں ہوگی، ختم بھی نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: آدم اور حوا! کھاؤ، میری نعمت کم بھی نہیں ہوگی اور میری نعمت ختم بھی نہیں ہوگی۔

عورت کھانے پینے میں مرد کے تابع نہیں ہے

اس آیت سے ایک عجیب بات معلوم ہوئی کہ عورت رہنے میں تو مرد کے تابع ہے؛ لیکن کھانے پینے میں مرد کے تابع نہیں ہے، دونوں کی اپنی اپنی پسند، اس میں شوہر مجبور نہیں کر سکتا کہ تجھے بھی یہی کھانا پڑے گا، مرد کو ایک چیز پسند، عورت کو دوسری چیز پسند ہے۔ تو کھانے پینے میں دونوں آزاد ہے، اپنے اختیار، اپنی پسند سے جس کو جو کھانا ہو وہ کھاوے، اس میں بیوی شوہر کو پابند نہیں بنا سکتی اور شوہر بیوی کے اوپر زبردستی نہیں کر سکتا ہے، یہی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

روٹی، کپڑے اور مکان کا انتظام مرد کی ذمے داری ہے

میری دینی بہنو! اس آیتِ کریمہ نے ایک اور عجیب بات ہم کو سکھائی، اللہ

کرے کہ وہ ہماری بہنوں کو سمجھ میں آجائے، وہ بات یہ ہے کہ عورت کے لیے تین چیزوں کا انتظام کرنا مرد کے ذمے واجب اور فرض ہے: مکان، کپڑے اور کھانا۔

(۱) گھر اور مکان کا انتظام کرنا: ایسا مکان جس میں ایک غسل خانہ اور استنجا خانہ ہو، جس میں رہ سکے، سو سکے اور کھانا پکا سکے، کم سے کم اتنا انتظام کرنا ضروری ہے۔

(۲) دوسری چیز اپنی بیوی کے ضروری کپڑوں کا انتظام کرنا۔

ضروری کپڑے کہہ رہا ہوں، آپ کی جو چاہت ہوتی ہے اس کے مطابق ہمیشہ نئے نئے فیشن والے کپڑے ضروری نہیں ہے، بدن چھپا سکے اتنے ضروری درمیانی قسم کے کپڑے۔

(۳) تیسری چیز کھانے کا انتظام۔

ان تین چیزوں کا انتظام کرنا اللہ تعالیٰ نے مرد کے ذمے رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ حکم قرآن کی ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

فَقُلْنَا یٰاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا یُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَ لَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَ لَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾. (طه: ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹)

ترجمہ: ہم نے کہا کہ: اے آدم! یقین رکھو یہ (ابلیس) تمھارا اور تمھاری بیوی کا دشمن ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے، سو تم (محنت کر کے ضروریات پوری کرنے کی) مصیبت میں پڑ جاؤ (۱۱۷) یقینی بات ہے کہ اس (جنت) میں تمھارے لیے فائدہ یہ ہے کہ تم بھوکے بھی نہیں ہوں گے اور تم ننگے بھی نہیں ہوں گے (۱۱۸) اور یقینی بات ہے کہ اس (جنت) میں تم پیاسے بھی نہیں رہوں گے اور دھوپ کی تکلیف بھی

نہیں اٹھاؤ گے(۱۱۹)۔

اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو حکم(order)دے رہے ہیں کہ یہ شیطان تمھارا دشمن ہے،تم کو جنت سے نکال نہ دے، اگر جوتم جنت سے نکل کے دنیا میں گئے تو تم کو تکلیف میں پڑنا پڑے گا۔

تکلیف کونسی؟

کمانے کی یا ضروریات کو پورا کرنے کے لیے محنت کرنے کی؟ وغیرہ وغیرہ

جنت میں کمانے کی ضرورت نہیں،نوکری، کاروبار نہیں، جنت میں اللہ تعالیٰ بیٹھے بٹھائے کھلاتے رہے ہیں اور دنیا میں گئے تو پیسے کمانے کی محنت کرنی پڑے گی۔

عورت کے ذمے کمانا نہیں ہے

اور یہ ذمے داری اللہ تعالیٰ نے اکیلے آدم علیہ السلام پر ڈالی؛ یعنی مرد ذمے دار ہے کہ عورت کے لیے مکان، کپڑے، کھانے کا انتظام کرے، اگر انتظام نہیں کرے گا تو گناہ گار ہوگا اور دوسری طرف عورت کو اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ جتنی کمانے کی ذمے داری ہے وہ ہم نے مرد کو حکم دیا ہے۔

عورت کی ذمے داری کیا ہے؟

اور تم کو کیا کرنا ہے؟

فرمایا:

وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى وَ أَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ أَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَه.(الأحزاب:۳۳)

ترجمہ: (اے ایمان والی عورتو!) تم تمھارے گھروں میں قرار سے رہو (یعنی ٹھہری رہو) اور پہلی جاہلیت کی طرح (پرائے مردوں کو) اپنا بناؤ سنگھار (میک اپ) دکھلاتی مت پھرو اور تم نماز قائم کرتی رہو اور تم زکوۃ دیتی رہو اور تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو۔

یعنی اے عورتو!

تم کو مکان کی، گھر کی ذمے داری اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔

تمھیں گھر میں رہنا ہے۔

نماز پڑھنی ہے۔

روزے رکھنے ہیں۔

زکوۃ دینی ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات ماننا ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے گھر کے باہر کی (outside) ذمے داری مرد کو اور گھر کے اندر (inhome) کی ذمے داری عورت کو دی۔

درخت کے پاس جانے کی ممانعت

دونوں: ماں حوّا اور حضرت آدم علیہما السلام خوب مزے سے رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک حکم دیا:

وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. (البقرۃ: ۳۵)

ترجمہ: اور (اے آدم وحوا!) تم دونوں اس خاص درخت کے قریب مت جانا

ورنہ تم دونوں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

یعنی پوری جنت میں پھرو، گھومو، خوب کھاؤ، پیو؛ لیکن ایک درخت اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اس کے پاس بھی مت جانا، اس کے قریب بھی مت جانا، اگر تم اس کے پاس گئے تو تم ظالم ہو جاؤ گے۔

درخت کے پاس جانے سے ممانعت کی وجہ:

اللہ تعالیٰ کے حکم میں چون و چرا کی گنجائش نہیں

میری دینی بہنو! سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری جنت کی آزادی دے دی، کہیں بھی جاؤ، کچھ بھی کھاؤ۔

لیکن ایک درخت سے اللہ تعالیٰ نے کیوں منع فرما دیا؟

کبھی آپ نے اس نکتے (point) کو سوچا؟

چنانچہ ایک بات اس میں یہ سمجھ میں آتی ہے کہ: اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے اور تمام انسانوں کے مالک ہیں اور آدم اور حوّا علیہما السلام اور تمام انسان اللہ تعالیٰ کے بندے اور غلام ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جس چیز سے چاہے روکے، بندوں کو پوچھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اس لیے میری دینی بہنو! جتنی چیزیں اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیں ہم کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو کہیں کہ:

اے اللہ! آپ نے کیوں منع کیا؟

ابھی جو آیت پڑھی تھی:

و لا تبرجن تبرج الجاهلية الاولىٰ. (الأحزاب: ۳۳)

ترجمہ: اور پہلی جاہلیت کی طرح (پرائے مردوں کو) اپنا بناؤ سنگھار دکھلاتی مت پھرو۔

اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا کہ کھلی مت پھرو، کھلم کھلی مت پھرو، اب ہم کو حق نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو پوچھنے جائیں کہ:

اے اللہ! یہ کافر عورتیں، یہ مشرک عورتیں، یہ غیر مسلم عورتیں کتنی کھلی پھرتی ہیں، بال کھلا، جسم کھلا اور ہم کو کیوں منع کیا؟

ہم کو کوئی حق نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو پوچھنے جائیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے بندے اور بندیاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا تو ہم کو اس کی پابندی کرنی ہے۔

ہماری تربیت مقصود تھی

دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی شفقت ہے، اللہ تعالیٰ ہماری تربیت فرمانا چاہتے ہیں؛ اس لیے کہ ابھی دنیا میں آنا باقی تھا، اگر ایک درخت سے بھی اللہ تعالیٰ منع نہ فرماتے تو انسانوں کے مزاج میں، طبیعت میں آزادی آجاتی، اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ ایک چیز سے منع کروں؛ تاکہ یہ میرے بندے اور بندیاں کچھ چیزوں سے رُکنے والے بنے۔

اس لیے کہ دنیا میں کچھ کرنے کے کام ہیں اور کچھ نہ کرنے کے کام ہیں۔

کچھ کھانے کی چیزیں ہیں، کچھ نہ کھانے کی چیزیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جنت ہی سے ہمارا مزاج بنایا، ہماری تربیت (training) کی

کہ پوری جنت میں سے کھاؤ، گھومو، پھرو؛ لیکن ایک درخت کے پاس تم مت جانا، یہ اللہ تعالیٰ ہم پر شفقت فرما رہے ہیں، ہم پر مہربانی کر رہے ہیں، ہماری تربیت کرتے ہیں۔

جیسے ایک بہت شفقت کرنے والی ماں ہوتی ہے، وہ ماں اپنے بچے کو کہتی ہے: بیٹا! تو چاکلیٹ (sweet) زیادہ مت کھانا، ورنہ تیرے پیٹ میں کیڑے پڑیں گے۔ یہ ماں کی محبت ہے کہ اپنے بچے کو غلط چیز سے بچاتی ہے۔

میری دینی بہنو! اللہ پاک کی قسم! اللہ تعالیٰ ستر (۷۰) ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری تربیت فرما رہے ہیں، ہم پر شفقت کر رہے ہیں، مہربانی کر رہے ہیں؛ تاکہ یہ انسان آزاد نہ ہو جائیں، آوارہ نہ ہو جائیں۔

اس لیے فرمایا کہ: اس درخت کے پاس بھی مت جانا۔

درخت کے قریب بھی جانے سے ممانعت کی وجہ

پھر آگے بات سوچو! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس درخت کے پاس بھی مت جانا۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ پاس میں جاؤ گے تو کھاؤ گے، دور رہو گے تو کھانے سے بچے رہو گے۔

سمجھ میں آیا کہ جو گناہ کی چیز ہو تو اس کے پاس بھی مت جاؤ، جو آدمی گناہ کے پاس جائے گا وہ گناہ میں پڑ جائے گا اور جو گناہ سے دور رہے گا اللہ تعالیٰ گناہ سے اس کی حفاظت کریں گے۔

اسی لیے دیکھو! قرآنِ مجید کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے کتنا کھلم کھلا (open) فرمایا:

وَلَاتَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيْلاً. (بني اسرائيل: ۳۲)

ترجمہ: اورتم زنا کے پاس بھی مت جاؤ، یقینی بات ہے کہ وہ (زنا) تو بڑی بے حیائی ہے اور بہت برا راستہ ہے۔

یعنی زنا کے پاس بھی مت جاؤ۔

کیا مطلب؟

کوئی اجنبی مرد اجنبی عورت کے پاس نہ جائے، بات نہ کرے، پرایا مرد پرائی عورت سے بات بھی نہ کرے، پاس میں بھی نہ جاوے؛ اس لیے کہ پاس جائیں گے تو بات کرنے کی خواہش ہوگی، بات کریں گے تو قریب اور بے تکلف ہونے کا دل چاہے گا، بے تکلف ہوں گے تو آہستہ آہستہ زنا ہوگا۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مہربانی ہے، جیسے بچہ چولہے کے قریب جاتا ہے تو اندر گرنے کا خطرہ رہتا ہے، ایک شفیق باپ اور ماں بچے کو آگ کے قریب جانے سے بھی روکتے ہیں، اللہ تعالیٰ تو ماں سے بھی زیادہ مہربان ہیں۔

وہ کونسا درخت تھا؟

میری دینی بہنو! وہ کون سا درخت تھا جہاں جانے سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ عنہما کو منع فرما دیا؟

تو اس سلسلے میں الگ الگ روایتیں ہیں، میں آپ کو وہ روایتیں سناتا ہوں:

ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ ''کھجور کا درخت'' تھا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ وہ ''لیموں کا درخت'' تھا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ وہ ''انجیر کا درخت'' تھا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ وہ ''اترنج کا درخت'' تھا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ وہ ''گیہوں کا درخت'' تھا۔

ایک روایت ایسی ہے کہ وہ کوئی ایسا درخت تھا کہ جو بھی اس کو کھالیوے تو اس کا وضوٹوٹ جاوے اور جنت میں ہوا نکلنا، ناپاکی کا ہونا یہ ٹھیک بات نہیں؛ اس لیے اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام اور ماں حوا کو بچانا چاہتے تھے۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہ درخت تھا جس کے بارے میں حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک درخت پیدا فرمایا، ایسا عجیب درخت ہے، اتنا بڑا درخت ہے کہ اس درخت کے نیچے ایک گھوڑے سوار یا کوئی آدمی پیدل چل کر سو (۱۰۰) سال تک چلے تو بھی اس درخت کا سایہ ختم نہیں ہوسکتا۔

کہتے ہیں کہ: یہ وہی درخت ہے جس درخت کے پاس جانے سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا کو منع فرمایا تھا۔

درخت کے پھل کیسے تھے؟

اور اس درخت کے جو پھل تھے وہ مکھن (butter) سے زیادہ نرم اور شہد (honey) سے بھی زیادہ میٹھے تھے۔

تمام گناہ ظاہر میں خوش نما معلوم ہوتے ہیں

میری دینی بہنو! ایک بات یاد رکھنا جتنے بھی گناہ ہوتے ہیں وہ گناہ اوپر سے

میٹھے اور نرم اور پیارے معلوم ہوتے ہیں، جس درخت کے کھانے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا اس درخت کے پھل اللہ تعالیٰ نے نرم نرم میٹھے میٹھے بنائے؛ تاکہ اللہ تعالیٰ امتحان لیوے کہ آدم اور حوا رُکتے ہیں یا للچا کر کھا لیتے ہیں۔

ہر گناہ کا یہی حال ہے، اللہ تعالیٰ خود قرآن میں فرماتے ہیں:

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَا لَهُمْ. (النمل: ٢٤)

ترجمہ: اور شیطان نے ان کو یہ سمجھا دیا ہے کہ ان کے (کفر کے یہ) کام بہت اچھے ہیں۔

یعنی شیطان برے کاموں کو، گندے کاموں کو، گناہ کے کاموں کو سجا کر کے انسان کو دکھلاتا ہے؛ تاکہ انسان اس کی سجاوٹ کی وجہ سے اس سے للچا کر کے گناہ کرنے والا بن جاوے۔

آپ دیکھ لو! جتنے بھی گناہ ہیں: ٹی وی کتنی للچانے والی چیز ہے؟

میوزک کتنی للچانے والی چیز ہے؟

جتنے بھی گناہ ہیں آپ دیکھ لو! تمام گناہ ظاہر میں میٹھے میٹھے اور اوپر سے نرم اور بہت پیارے اور بہت اچھے لگتے ہیں؛ لیکن اندر سے عذاب کے اعتبار سے وہ بہت کڑوے ہیں، بہت خطرناک ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ (شیطان نے ماں حوا کو نہیں بہکایا تھا)

حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا دونوں اس درخت سے دور دور تو

رہتے تھے؛ لیکن اپنا پرانا دشمن شیطان وہاں پر بھی حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا پر محنت کرنے کے لیے گیا۔

میں آپ کو یہاں ایک بہت اہم بات – جو سب لوگوں میں مشہور ہے اور غلط مشہور ہے – میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں۔

عام طور پر لوگ یہ قصہ بیان کرتے ہیں کہ:

شیطان نے ماں حوا کو بہکایا تھا اور پھر ماں حوا نے آدم علیہ السلام کو بہکایا اور پھر دونوں نے کھالیا۔

پھر بعض لوگ اس کے نتیجے میں ہماری دینی بہنوں کو ڈانٹتے ہیں کہ تمھاری وجہ سے جنت سے نکلنا پڑا وغیرہ وغیرہ۔

یہ بات بالکل غلط ہے، صحیح نہیں ہے، میں آپ کی طرف داری (favour) کرتا ہوں، ابھی آپ کو قرآن کی آیت سناتا ہوں، قرآن میں اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتے ہیں:

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يٰآدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى. (طه: ۱۲۰)

ترجمہ: سو شیطان نے ان (آدم علیہ السلام) کے دل میں وسوسہ ڈالا، اس (شیطان) نے کہا: اے آدم! کیا میں تم کو بتاؤں ایسا درخت جس (کے کھانے) سے ہمیشہ کی زندگی اور ایسی بادشاہت جو کبھی پرانی نہ ہو وہ حاصل ہوتی ہے؟۔

اس آیت میں تو یہ ہے کہ شیطان نے اکیلے آدم علیہ السلام کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا، صرف آدم علیہ السلام پر شیطان نے وسوسہ ڈالا، گندے گندے خیال ڈالے۔

اللہ تعالیٰ کی تین بڑی مخلوقات

میری دینی بہنو! شیطان انسان سے بھی پہلے پیدا ہوا ہے۔

یہ بات یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی تین بڑی بڑی مخلوق ہم جانتے ہیں:

(۱) ایک بڑی مخلوق ہیں فرشتے جن کو اللہ تعالیٰ نے بہت پہلے پیدا فرمایا۔

(۲) دوسری بڑی مخلوق ہیں شیطان اور اسی کے ساتھ ساتھ ہیں جنات، ان کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے تقریباً دو ہزار سال پہلے پیدا فرمایا۔

(۳) اور تیسری بڑی مخلوق ہیں انسان۔

میں آپ کے علم کے لیے یہ بات بتاؤں: پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا کیا، دوسرے نمبر پر شیطان اور جنات کو پیدا فرمایا اور تیسرے نمبر پر انسان کو پیدا فرمایا۔

انسان تو سب سے اخیر میں پیدا ہوئے ہیں اور انسانوں کے پیدا ہونے سے پہلے دنیا میں شیطان رہتا تھا، جنات رہتے تھے۔

ایک لطیفہ

معلوم ہوا کہ جنات ہی دنیا میں پہلے پیدا کیے گئے، انسان بعد میں پیدا کیا گیا؛ اس لیے میں ایک لطیفہ کہا کرتا ہوں کہ: بعض لوگ جو یوں کہتے ہیں کہ تمھارے گھر میں ''جن'' گھس گئے ہیں، تو بات الٹی ہونی چاہیے کہ ہم انسان جنوں کے مکان میں گھس گئے ہیں۔ اگرچہ روایتوں میں آتا ہے کہ جناتوں نے جب زمین پر فساد مچایا، خون بہایا تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کا لشکر بھیجا، انھوں نے جنوں کو مار مار کر جزائر کی طرف بھگایا اور انسانوں کی تشریف آوری کے لیے پوری زمین خالی کروا ڈالی؛ اس لیے اب بھی زیادہ تر

جنات جزائر یا پہاڑوں میں یا جنگلات میں رہتے ہیں۔

شیطان سب سے بڑا عبادت گزار تھا

اور یہ جو سب سے بڑا شیطان ہے ابلیس وہ بہت نیک تھا، اتنا نیک تھا کہ پوری زمین کے اوپر کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں شیطان نے سجدہ نہ کیا ہو، پوری دنیا میں شیطان نے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کیا ہے، شیطان اتنا بڑا عبادت کرنے والا تھا۔

شیطان میں تین ''عین'' تھے، چوتھا ''عین'' نہیں تھا

میں آپ کو ایک نکتے کی بات سمجھاتا ہوں، اللہ کرے کہ آسانی سے سمجھ میں آجاوے!

شیطان بہت بڑا عابد تھا، بڑا عبادت کرنے والا تھا۔

شیطان بہت بڑا عالم بھی تھا، بہت علم اس کے پاس تھا۔

اور شیطان بہت بڑا عارف بھی تھا، اللہ تعالیٰ کو پورے طور پر پہچانتا تھا۔

دیکھو! تین الفاظ (words) ہیں: (۱) عابد (۲) عالم (۳) عارف۔

عابد کا مطلب: عبادت کرنے والا۔

عالم کا مطلب: علم والا۔

عارف کا مطلب: اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والا۔

شیطان کے عارف باللہ ہونے کی دلیل

شیطان عارف باللہ ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ انسان کو جب کسی سے کوئی کام نکلوانا ہوتا

ہےتواس کے ’’موڈ‘‘ کو دیکھا جاتا ہے، اچھے موڈ کے وقت میں مشکل کام بھی آسانی سے ہوجاتے ہیں اور خراب موڈ کے وقت آسان کام بھی مشکل ہوجاتے ہیں، یہ انسان کا حال ہے۔ باری تعالیٰ ان کیفیات سے پاک ہیں، یہ شیطان کو معلوم تھا؛ اسی لیے تو عین اس وقت جب اس کو بارگاہِ الٰہی سے نکالا گیا اس نے لمبی عمر کی مہلت مانگی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عارف باللہ بھی تھا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَافَمَايَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ،قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ،قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ،قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ،ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ،قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ. (الأعراف: ۱۳تا۱۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اے ابلیس!) تو یہاں (آسمان) سے نیچے اتر، تجھے حق نہیں ہے کہ یہاں رہ کر کے تو تکبر کرے، تو (یہاں سے) نکل جا، یقیناً تو ذلیلوں میں سے ہے (۱۳) ابلیس نے کہا: (اے اللہ!) تو مجھ کو اس دن تک زندہ رہنے کی مہلت دے جس دن مردے دوبارہ زندہ کیے جائیں گے (۱۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یقیناً تجھ کو مہلت دے دی گئی ہے (۱۵) ابلیس نے کہا: (اے اللہ!) جیسا تو نے مجھ کو گمراہ کردیا، میں بھی ان (انسانوں کی تاک میں) تیرے سیدھے راستے پر بیٹھ جاؤں گا (۱۶) پھر ان (انسانوں) کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان (انسانوں) کی داہنے

طرف سے اور ان (انسانوں) کی بائیں طرف سے بہکانے کے لیے (حملہ کرنے) آؤں گا اور تو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر کرنے والا نہیں پائے گا (۱۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اے ابلیس!) تو یہاں سے ذلیل، مردود ہو کر نکل، انسانوں میں سے جو بھی تیرے پیچھے چلے گا میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا (۱۸)۔

اس آیت میں ایک اہم نکتہ

اس آیت میں جو شیطان نے گمراہ کرنے کی بات کہی، اس میں ایسے تو تمام جہات مراد ہے یعنی سامنے دیکھ کر چلو تو کسی پر نظر پڑ جائے گی، دائیں بائیں دیکھنے میں کسی کے مکان میں نظر پڑ جائے گی، پیچھے مڑ کر دیکھنے میں کسی غیر پر نظر پڑ جائے گی؛ البتہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے دو جہتیں بھلوا دیں، ایک اوپر، دوسری نیچے اور ہم جانتے ہیں کہ اوپر دیکھ کر چلنے میں دو خطرے ہیں:

(۱) اب جو اونچی عمارتیں بنی ہیں تو کسی عمارت کے برآمدہ، گیلیری میں کھڑی کسی اجنبی عورت پر نظر پڑ جائے گی۔

(۲) نیز اوپر دیکھ کر چلنے والے کو لوگ تھوڑا پاگل جیسا سمجھتے ہیں؛ اس لیے اب سلامتی صرف نیچے دیکھ کر چلنے میں ہے، خود باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ،وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ. (النور: ۳۱،۳۰)

ترجمہ: (اے نبی!) ایمان والے مردوں سے آپ کہو کہ: وہ اپنی نظروں کو نیچی

رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں، یہی ان کے لیے بڑا پاکیزہ طریقہ ہے، یقیناً جو کام وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اس کی پوری خبر ہے۔اور (اے نبی!) آپ ایمان والی عورتوں کو (بھی) کہو کہ: وہ اپنی نظروں کو نیچے رکھا کریں۔

بہرحال! میں یہ بتلا رہا تھا کہ یہ تین الفاظ ہیں اور تینوں میں پہلا ''عین'' ہے، عابد میں بھی پہلا عین، عالم میں بھی پہلا عین، عارف میں بھی پہلا عین ہے۔

شیطان میں تینوں ''عین'' تھے؛ لیکن اس میں ایک چوتھا ''عین'' نہیں تھا؛ اسی لیے وہ گمراہ ہوگیا، بھٹک گیا۔

شیطان بڑا عبادت کرنے والا، بڑا عالم، بڑا اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والا؛ لیکن میری دینی بہنو! شیطان عاشق نہیں تھا، اگر اللہ تعالیٰ کا عاشق ہوتا تو وہ کبھی گمراہ نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اپنا سچا پکا عاشق بنادیویں۔

عشق کرنے کے لائق ذات اللہ تعالیٰ ہے، اللہ تعالیٰ سے عشق کرو، خدا سے محبت کرو، خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰه. (البقرة: ١٦٥)

یعنی ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوب زیادہ محبت، بہت زیادہ عشق اور پیار ہوا کرتا ہے۔

تو شیطان میں تین ''عین'' تھے، چوتھا ''عین'' نہیں تھا، عاشق نہیں تھا اور انسان اللہ تعالیٰ کا عاشق ہے؛ اسی لیے یہ انسان بہت سارے جنتی بنیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنا عشق عطا فرمائیں، آمین۔

عاشق کس کو کہتے ہیں؟

عاشق کس کو کہتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا وہ حکم سمجھ میں آوے کہ نہ آوے آنکھ بند کر کے پورا کر ڈالے اس کو عاشق کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا مزاج، ہماری سوچ، ہماری طبیعت ایسی بناوے کہ شریعت کا جو حکم ہے، جو قانون ہے ہم کو سمجھ میں آوے کہ نہ آوے ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کو آنکھ بند کر کے پورا کرنے والے بنیں۔

اب یہ شیطان پہنچ گیا اور اس نے وسوسہ ڈالا:

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطَانُ. (طه: ۱۲۰)

ترجمہ: سو شیطان نے ان (آدم علیہ السلام) کے دل میں وسوسہ ڈالا۔

اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے صرف آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا۔

دوسری جگہ پر قرآن میں ہے:

فوسوس لهم الشيطان. (الأعراف: ۲۰)

شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا، قرآن کی اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ صرف ماں حوا کو وسوسہ نہیں ڈالا تھا۔

اس لیے یہ بات جو چل پڑی ہے وہ غلط ہے، جو لوگ بھی کہتے ہیں غلط ہے، نہ قرآن میں ہے، نہ حدیث میں ہے، پھر بے چاری ہماری دینی بہنوں کو بدنام کرتے

ہیں کہ شیطان نے عورت کو بہکایا، عورت نے آدم علیہ السلام کو بہکایا، پھر جنت سے نکلنا پڑا، ایسی بات نہیں ہے، یہ غلط بات ہے۔

شیطان صرف وسوسہ ڈال سکتا ہے

یاد رکھنا دینی بہنو! شیطان کو اللہ تعالیٰ نے صرف ایک طاقت دی ہے کہ وہ دل میں گندے وسوسے ڈال سکتا ہے، وسوسے کے علاوہ شیطان کچھ نہیں کرسکتا۔ آپ نے کبھی اپنی زندگی میں ایسا دیکھا کہ کوئی شیطان آپ کو ہاتھ پکڑ کر گناہ کرنے لے جاوے۔

ہاں! انسانوں کے اندر جو شیطان کے ایجنٹ ہیں وہ کر سکتے ہیں؛ لیکن جو اصلی شیطان ہے وہ ایسا کچھ نہیں کرسکتا کہ کسی کو پکڑ کر زبردستی گناہ کروادے، وہ صرف دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

وسوسہ کا مطلب دل میں گندے گندے، برے برے خیال آنا ہے۔

شیطان نے وسوسہ کیسے ڈالا؟

اب ایک اہم بات سوچنے کی ہے کہ شیطان نے وسوسہ کیسے ڈالا؟

دو باتیں ممکن ہیں:

(۱) شیطان کی نافرمانی کے باوجود اس کے جنت میں آنے جانے پر پابندی نہیں تھی؛ اس لیے کبھی کبھی وہ جنت میں آتا جاتا تھا تو اس نے جنت میں آکر وسوسہ ڈالا۔

(۲) جنت کے باہر سے دل پر وسوسہ ڈالا، جیسے آج کے زمانے میں آواز کی لہر اور شعاؤں کے ذریعے دور دور تک آواز پہنچائی جاتی ہے، اس طرح کی کوئی تدبیر اس نے وسوسہ کے لیے اپنائی ہوگی۔

وسوسہ سے بچنے کی چند دعائیں

آج عام طور پر ہمارے بہت سے بھائی، بہت سی ہماری دینی بہنیں گندے وسوسوں سے پریشان ہیں۔

تو میں آپ کو دو، تین دعائیں بتلاتا ہوں، یہ دعائیں یاد کرلو، یہ دعائیں پڑھو، ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ وسوسوں سے حفاظت کریں گے، یہ بہت قیمتی (power full) دعائیں ہیں۔

وسوسہ سے بچنے کی پہلی دعا

پہلی دعا: یہ قرآن کی دعا ہے:

رَبِّ أَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنَ وَأَعُوْذُبِكَ رَبِّ أَنْ يَّحْضُرُوْنَ. (المؤمنون: ۹۸،۹۷)

اے میرے رب! شیطان جو میرے دل میں گندے اور ناپاک خیالات ڈالے، وسوسے ڈالے اس سے میں حفاظت مانگتا ہوں، میری حفاظت فرمایئے اور شیطان میرے پاس آوے اے اللہ! اس سے بھی میری حفاظت فرمایئے۔

جو مسلمان مرد یا عورت یہ دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ شیطان کے وسوسے سے بھی حفاظت کریں گے اور شیطان اس کے پاس بھی نہ آسکے گا ان شاء اللہ۔

وسوسہ سے بچنے کی دوسری دعا

دوسری دعا: شیطان بہت پریشان کرتا ہو اور دل میں گندے گندے وسوسے آتے ہوں تو دوسری دعا میں آپ کو بتلاتا ہوں، یہ دعا بھی قرآن کی ہے:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

قل أعوذ برب الناس،ملك الناس،اله الناس،من شر الوسواس الخناس،الذي يوسوس في صدور الناس،من الجِنَّةِ والناس.(الناس)

سورۂ ناس پڑھنے سے بھی شیطان کے وسوسوں سے اللہ حفاظت فرماتے ہیں۔
دیکھو کتنی پیاری بات! اللہ تعالیٰ کی تین صفتیں لا کر دعا کی گئی:

”رب الناس“ لوگوں کے رب۔

” ملك الناس “ لوگوں کے مالک۔

”اله الناس“ لوگوں کے خدا، لوگوں کے معبود۔

اے اللہ! یہ جو وسوسہ ڈالنے والے شیطان ہیں اس سے آپ میری حفاظت فرمایئے، یہ وسوسہ ڈالنے والے انسان بھی ہوتے ہیں اور جنات اور شیطان بھی ہوتے ہیں، دونوں طرح کے گندے گندے وسوسہ ڈالنے والوں سے اے اللہ! آپ میری حفاظت فرمایئے۔

اس لیے اگر گندے وسوسے آئیں تو ”قل أعوذ برب الناس“ پڑھ لیا کرو۔

وسوسے سے بچنے کی تیسری دعا

تیسری دعا میں آپ کو بتلاتا ہوں، امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ جس مرد یا عورت کو وسوسے کی بہت تکلیف ہو تو وہ قرآن کی یہ آیت پڑھے:

هو الأوّل والأخر والظاهر والباطن وهو بكل شيء عليم.(الحديد:۳)

ترجمہ: وہی (اللہ تعالیٰ) سب سے پہلے اور آخر میں ہیں، ظاہر میں بھی ہیں

چھپے ہوئے بھی ہیں اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہر چیز کو پوری طرح جانتے ہیں۔

اس آیت کو پڑھا کرو، اس کی برکت سے بھی اللہ تعالیٰ وسوسوں سے حفاظت فرمائیں گے۔

وسوسے سے بچنے کی ایک دوا

چوتھے نمبر پر ایک دوا بتلاتا ہوں کہ جب دل میں وسوسے آئیں تو اس کی طرف دھیان مت دو، اس کی طرف خیال مت لے جاؤ اور ''لَا حَـوْلَ وَلَا قُـوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم'' پڑھا کرو ان شاء اللہ وسوسے ختم ہو جاہیں گے، اگر آپ وسوسے پر دھیان دیں گے تو دوسرا وسوسہ آئے گا، تیسرا آئے گا، وسوسے پر دھیان ہی مت دو، ان شاء اللہ وسوسے سے حفاظت ہوگی۔

عام طور پر جب آدمی اکیلا بیٹھ کر سوچتا رہتا ہے تو وسوسے آتے ہیں؛ اس لیے جن کو ایسی وسوسے کی بیماری ہو ان کو کہتا ہوں کہ فارغ مت بیٹھو، گھر کا کام کرو یا قرآن پڑھو، تسبیح پڑھو، تلاوت کرو، بیان کی سی ڈی سنو، قرآن کی سی ڈی سنو، تسبیح پڑھو، بچوں کے ساتھ رہو۔ اکیلے اکیلے جو بیٹھے رہتے ہیں، کچھ کام نہیں کرتے، ان کو عام طور پر زیادہ وسوسے آتے ہیں، اپنے دماغ کو تم خالی مت رہنے دو تو ان شاء اللہ اس سے بھی وسوسے سے حفاظت ہو جائے گی۔

الغرض! شیطان نے جا کر حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا کے دل میں وسوسہ ڈالا اور ان کو درخت کھانے کی دعوت دی۔

ان شاء اللہ آگے والا واقعہ آئندہ کل کی مجلس میں ذکر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھنے کی، صحیح عمل کی اور صحیح اشاعت اور دعوت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

دنیا کی سب سے پہلی خاتون ماں حوا

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

(دوسری قسط)

اقتباس

یہاں ایک قیمتی بات ذہن میں رکھنا کہ بدن سے جنت کے نورانی کپڑے کیوں اتر گئے؟ اس لیے کہ ایک چوک ہوگئی: اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ: اس درخت کے پاس مت جانا، اس میں سے مت کھانا، جس چیز کے کھانے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا وہ چیز کھالی تو اس کا نقصان یہ ہوا کہ بدن پر سے جنت کے نورانی کپڑے اتر گئے۔

حرام کھانے سے زندگی میں بے حیائی اور بے شرمی آتی ہے

یہ بہت اہم نکتہ ہے کہ حرام کھانا جب پیٹ میں جاتا ہے تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مرد اور عورت بے حیا بن جاتے ہیں، زندگی میں بے حیائی آجاتی ہے۔

آپ جن مسلمان عورتوں کو بے حیا دیکھو کہ ان کے کپڑے کم ہیں، بدن دکھائی دے رہا ہے ایسے کپڑے پہنے ہیں تو ممکن ہے کہ اس نے حرام کھانا کھایا ہوگا، حرام کھانا اس کے پیٹ میں گیا ہوگا، وہ ناجائز چیز کھاتی ہوگی، ممکن ہے کہ یہ اسی کا نتیجہ ہو؛ اس لیے کہ جب حرام، ناجائز، غلط چیز پیٹ میں جاتی ہے تو زندگی میں بے حیائی اور بے شرمی آتی ہے۔

اس لیے اپنے آپ کو حرام، ناجائز، گندی، غلط چیزیں کھانے سے بچاؤ۔ یہ جنت کے حوالے سے بات کہہ رہا ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ،وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِأَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ أَعْمَالِنَا،مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ،وَنَشْھَدُ أَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ،وَنَشْھَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَاوَحَبِیْبَنَا وَاِمَامَنَاوَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ،صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ وَ أَھْلِ بَیْتِہٖ وَأَھْلِ طَاعَتِہٖ، وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً.أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

وَیٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ فَکُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَھُمَا الشَّیْطٰنُ لِیُبْدِیَ لَھُمَا مَاوٗرِیَ عَنْھُمَا مِنْ سَوْاٰتِھِمَا وَقَالَ مَا نَھٰکُمَا رَبُّکُمَا عَنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَا مَلَکَیْنِ اَوْتَکُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَھُمَآ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ﴿۲۱﴾فَدَلّٰھُمَا بِغُرُوْرٍ، فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَۃَ بَدَتْ لَھُمَا سَوْاٰتُھُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْھِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّۃِ ، وَنَادٰھُمَا رَبُّھُمَآاَلَمْ اَنْھَکُمَا عَنْ تِلْکُمَا الشَّجَرَۃِ وَاَقُلْ لَّکُمَآ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۲﴾قَالَا رَبَّنَاظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا، وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴿۲۳﴾قَالَ اھْبِطُوْا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ﴿۲۴﴾قَالَ فِیْھَا تَحْیَوْنَ وَفِیْھَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْھَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾(الأعراف: ۱۹تا۲۵)

ترجمہ: اور اے آدم! تم اور تمھاری بیوی جنت میں رہو اور سو جہاں سے جو چیز تم کھانا چاہو کھاؤ اور اس درخت کے پاس (بھی) مت جانا (جو گئے تو) تم دونوں زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے (۱۹) سو شیطان نے ان دونوں (آدم وحوا) کے دلوں میں (بہکانے کے لیے) وسوسہ ڈال دیا؛ تا کہ ان دونوں کی شرم کی جگہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں وہ ایک دوسرے کے سامنے کھول دیوے اور ابلیس کہنے لگا: تم دونوں کو تمھارے رب نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم دونوں (اس کو کھا کر) فرشتے بن جاؤ یا تم دونوں (جنت میں) ہمیشہ رہنے والوں میں سے بن جاؤ (۲۰) اور قسم کھا کر ان دونوں سے شیطان نے کہا: یقین رکھو میں تم دونوں کے لیے بھلائی ہی چاہنے والوں میں سے ہوں (۲۱) شیطان نے دھوکا دے کر ان دونوں کو (اپنی بات ماننے کے لیے) مائل (تیار) کر ہی لیا، سو جیسے ہی ان دونوں نے اس درخت کو چکھا تو ان دونوں کی شرم کی جگہیں ایک دوسرے کے سامنے کھل گئیں اور دونوں اپنے (بدن) پر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر چپکانے لگے اور اس وقت ان دونوں کے رب نے ان دونوں کو آواز دی کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت کے پاس جانے سے نہیں روکا تھا اور میں نے تم دونوں سے نہیں کہا تھا کہ یقیناً شیطان تم دونوں کا کھلم کھلا دشمن ہے؟ (۲۲) دونوں کہنے لگے: اے ہمارے رب! ہم نے (آپ کے حکم کے خلاف کر کے) ہماری جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر (آپ) ہم کو معاف نہ کر دیں اور (آپ) ہم پر رحم نہ فرمائیں تو ہم ضرور تباہ و برباد ہو جائیں گے (۲۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم سب یہاں سے نیچے اترو، تم سب آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے اور

تمھارے لیے زمین میں ایک مدت تک رہنے کی جگہ اور فائدہ اٹھانا ہوگا (۲۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: زمین میں تم کو زندہ رہنا ہے اور زمین میں تم کو موت آئے گی اور زمین ہی سے تم (قیامت کے دن) نکالے جاؤ گے (۲۵)۔

یہ سورۂ اعراف جو آٹھویں پارے کی سورت ہے اس میں آیت نمبر ۱۹ تا ۲۵ ہیں جس میں اللہ تعالیٰ ماں حوا رضی اللہ عنہا کے بقیہ قصہ کو بیان فرمایا ہے۔

دوسری ایک جگہ پر ہے:

فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى﴿۱۱۷﴾اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى﴿۱۱۸﴾وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى﴿۱۱۹﴾فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴿۱۲۰﴾فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ، وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴿۱۲۱﴾ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى﴿۱۲۲﴾قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى،فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى﴿۱۲۳﴾وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴿۱۲۴﴾قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا﴿۱۲۵﴾قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا، وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴿۱۲۶﴾وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ، وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى﴿۱۲۷﴾(طٰہٰ: ۱۱۷ تا ۱۲۷)

ترجمہ: ہم نے کہا کہ: اے آدم! یقین رکھو یہ (ابلیس) تمھارا اور تمھاری بیوی کا دشمن ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے، سو تم (محنت کر کے ضروریات پوری کرنے کی) مصیبت میں پڑ جاؤ (۱۱۷) یقینی بات ہے کہ اس (جنت) میں تمھارے لیے فائدہ یہ ہے کہ تم بھوکے بھی نہیں ہوگے (یعنی ایسی بھوک نہیں لگے گی جس سے تکلیف ہو) اور تم ننگے بھی نہیں ہوگے (۱۱۸) اور یقینی بات ہے کہ اس (جنت) میں تم پیاسے بھی نہیں رہوں گے اور دھوپ کی تکلیف بھی نہیں اٹھاؤ گے (۱۱۹) شیطان نے ان (آدم علیہ السلام) کے دل میں وسوسہ ڈالا، شیطان نے کہا: اے آدم! کیا میں تم کو بتاؤں ایسا درخت (جس کے کھانے سے) ہمیشہ کی زندگی اور ایسی بادشاہت جو کبھی پرانی نہ ہو وہ حاصل ہوتی ہے (۱۲۰) سو دونوں (آدم اور حوا) نے اس درخت میں سے (کچھ) کھالیا، اس پر ان دونوں کی شرم کی جگہ ان کے سامنے کھل گئی اور دونوں جنت کے پتوں کو ملا ملا کر اپنے اوپر چپکانے لگے اور آدم نے اپنے رب کی کہی ہوئی بات کو ٹال دیا، سو آدم (علیہ السلام) غلطی میں پڑ گئے (۱۲۱) پھر ان (آدم علیہ السلام) کو ان کے رب نے چن لیا، سو آدم (علیہ السلام) کی توبہ قبول فرمالی اور آدم (علیہ السلام) کو صحیح راستے پر (ہمیشہ) قائم رکھا (۱۲۲) (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: تم سب اس (جنت) سے نیچے (دنیا میں) اتر جاؤ، تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، سو اگر تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے سو جو آدمی میری ہدایت پر چلے گا وہ گمراہ بھی نہیں ہوگا اور وہ کسی تکلیف میں بھی نہیں پڑے گا (۱۲۳) اور جو آدمی بھی میری نصیحت سے منہ پھرائے گا اس کو (دنیا اور قبر میں) بڑی تنگ زندگی ملے گی۔ (مراد: عذاب قبر کی تنگی ہے اور دنیا میں قناعت سلب ہو جائے، حرص بڑھ جائے یہ بھی بڑا عذاب ہے)۔

اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے(۱۲۴) تو وہ بولے گا: اے میرے رب! تو نے مجھ کو اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ حالاں کہ میں تو (دنیا میں) آنکھوں سے دیکھنے والا تھا(۱۲۵) (اللہ تعالیٰ) فرمائیں گے: تو نے (دنیا میں) ایسا ہی کام کیا تھا، ہماری آیتیں (دنیا میں) تیرے پاس پہنچی تھی (جیسا عمل ویسی سزا، دنیا میں احکام سے اندھے جیسا برتاؤ کیا تھا اس لیے آج یہ سزا ہے) سو تو ان (آیتوں) کو بھول گیا، (جس طرح تو ان آیتوں کو بھول گیا) آج اسی طرح تجھے بھلا دیا جائے گا(۱۲۶) جو شخص بھی حد سے آگے نکل جاتا ہے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتا ہے ہم اس کو اسی طرح سزا دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو واقعی زیادہ سخت اور زیادہ دیر باقی رہنے والا ہے(۱۲۷) کیا ان لوگوں کو اس بات سے بھی ہدایت حاصل نہیں ہوئی کہ ہم ان سے پہلے بہت ساری قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کے رہنے کے مکانات (بستیوں) میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں (ملکِ شام جاتے ہوئے مکہ والوں کے راستے میں بعض ایسی بستیاں آتی تھیں) یقیناً اس بات (یعنی پچھلی قوموں کی تباہی) میں عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں (۱۲۸)۔

یہ سورۂ طہٰ کی ایک سو سترہ (۱۱۷) سے ایک سو ستائیس (۱۲۷) تک کی آیتیں ہیں جس میں حضرت حوا رضی اللہ عنہا کے بقیہ قصے کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود بیان فرمایا ہے۔

شیطان کا عجیب وسوسہ

کل بات یہاں تک پہنچی تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا کو شیطان نے وسوسہ ڈال کر یقین دلایا کہ: اے آدم! یہ جو درخت کھانے سے اللہ تعالیٰ

نے تم کو منع کیا ہے یہ تو اس وقت کی بات ہے جب تم جنت میں نئے نئے تھے، تمھارے اندر جنت کی نعمتوں کو ہضم کرنے کی طاقت نہیں تھی، اس وقت تمھاری قوتِ ہاضمہ بھی کمزور تھی، اس زمانے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم کو منع کیا تھا، اب تو جنت میں رہتے رہتے، جنت کی نعمتیں ہضم کرنے کی عادت بن گئی ہے؛ اس لیے اگر اب تم کھاؤ گے تو اس میں کوئی گناہ اور کوئی برائی نہیں ہوگی۔

سفر میں صحت کو باقی رکھنے کا ایک عجیب نسخہ

ایسا ہوتا ہے کہ جب آدمی سفر کر کے کسی دوسری جگہ پر جاتا ہے، دوسرے ملک یا کسی دوسرے شہر میں تو شروع شروع میں وہاں کی آب وہوا، وہاں کا پانی آدمی کی طبیعت اور پیٹ کو ذرا بھاری معلوم ہوتا ہے۔

اسی لیے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آدمی جب سفر میں جاوے تو وطن سے کم از کم ایک بوتل پانی ساتھ میں لے کر جاوے اور دوسری جگہ جہاں جاوے تو وہاں کا پانی پینے کے وقت اپنے وطن کا تھوڑا سا پانی بھی اس دوسری جگہ کے پانی میں ملا کے پینا چاہیے، اس کی وجہ سے صحت اور تندرستی اچھی رہتی ہے۔

شیطان کا ایک وسوسہ: ممانعت وقتی اور طبی تھی

شیطان نے یہ ایک عجیب وسوسہ ڈالا۔

گویا کہ وہ ممانعت اور رکاوٹ وقتی تھی، اس کا ایک ٹائم فکس تھا، وہ وقت چلا گیا، اب اگر تم اس درخت کو کھاؤ گے تو تم کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی، گویا ایک طبی طور پر، علاج کے طور پر تم کو منع کیا گیا تھا، یہ کوئی شرعی ممانعت نہیں تھی۔ ایسا شیطان نے ان کو سبق

پڑھایا۔

شیطان کا دوسرا وسوسہ: ایک خاص درخت کھانے سے منع فرمایا ہے

اور ساتھ میں ایسی بات بھی کہی کہ جس درخت کے کھانے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے وہ ایک خاص درخت ہے، اس طرح کا اگر کوئی دوسرا درخت جنت میں ہو تو وہاں سے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، بس ایک مخصوص درخت ہے وہاں سے نہیں کھا سکتے اور اسی طرح کا اور اسی جنس کا اگر کوئی درخت دوسری جگہ ہو تو تم کھا سکتے ہو۔ اس طرح کی غلط غلط باتیں شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو سکھائی۔

شیطان کا تیسرا وسوسہ: دائمی جنت ملے گی

ساتھ میں ایسا بھی کہا کہ: اس درخت کی تاثیر اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو بھی اس کو کھاتا ہے تو اس کو جنت میں رہنے کا دائمی ویزا مل جاتا ہے، ابھی تم لوگ ’’کام چلاؤ ویزا‘‘ پر جنت میں ہو، ابھی تم کو یہاں کا عارضی ویزا ملا ہے؛ لیکن اگر اس درخت کو کھاؤ گے تو تم جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے؛ اس لیے کہ جو بھی اس درخت کو کھاتا ہے تو وہ ہمیشہ جنت میں رہنے والا ہو جاتا ہے۔

امام طبریؒ کی روایت

امام ابن جریر طبریؒ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ جنت کے اس درخت کی شاخیں اور اس کی ٹہنیاں جنت ہی میں ایک دوسرے سے مل کر کے پھیلی ہوئی تھیں اور اس کے پھلوں کو اللہ کے فرشتے کھاتے تھے اور جو فرشتہ بھی اس درخت میں سے کھا لیتا تھا اس کو

ہمیشہ والی زندگی نصیب ہو جاتی تھی؛ اس لیے شیطان نے یہی بات حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو کہی کہ دیکھو فرشتے کھاتے ہیں تو فرشتوں کو ہمیشہ کی زندگی مل جاتی ہے، تم کھاؤ گے تو تم کو بھی ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو جائے گی۔

شیطان کا چوتھا وسوسہ: تم فرشتے بن جاؤ گے

ساتھ میں یہ بھی کہا کہ: اس درخت کو کھانے کی برکت سے تم فرشتے جیسے بن جاؤ گے یعنی جیسی خوبیاں اور صفات فرشتوں میں ہیں وہ صفات تمھارے اندر آ جائیں گی، جیسا کہ فرشتے ایک ایسی مخلوق ہیں کہ ان کو بھوک نہیں لگتی، ان کو پیاس نہیں لگتی، اے آدم اور حوا! تم بھی اگر اس درخت میں سے کھاؤ گے تو تم کو بھی کبھی بھوک نہیں لگے گی اور کبھی پیاس نہیں لگے گی؛ اسی لیے ہم تمھیں مشورہ دیتے ہیں کہ تم اس درخت میں سے کھا لو۔

شیطان کا ایک عجیب لالچ دلانا

اس نے ایک عجیب لالچ یہ بھی دلائی کہ اس درخت کے کھانے سے تم کو کبھی موت نہیں آئے گی، تمھاری زندگی لمبی ہو جائے گی۔

یہ عجیب عجیب طرح کی اس نے لالچیں دلائیں اور اس طرح کی گندی گندی لالچیں دلا کر کے شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو درخت میں سے کھانے کی دعوت دی۔

لالچ بڑی خطرناک چیز ہے

میری دینی بہنو! یہ لالچ بہت خطرناک چیز ہے، اسی لالچ نے حضرت آدم علیہ

السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا کے سامنے شیطان کو کامیاب کر دیا؛ اس لیے اپنے آپ کو لالچ کی غلط عادت سے بچاؤ، جتنا مقدر میں ہے، جتنا تقدیر میں لکھا ہوا ہے وہ تو ان شاء اللہ مل کر کے رہے گا، لالچی آدمی کا پیٹ قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے، قبر کی مٹی کے سوا لالچ والے کا پیٹ دنیا کی کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔

لالچ نیک کام کی کرنی چاہیے

اگر لالچ کرنی ہو تو نیک کام کرنے کی لالچ کریں کہ زیادہ نمازیں پڑھیں، زیادہ نوافل پڑھیں، زیادہ قرآن پڑھیں، زیادہ تسبیح پڑھیں۔ نیکیوں میں لالچ پیدا کرو، دنیا دنیا، پیسے پیسے، کپڑے کپڑے، جوتے چپل ایسی چیزوں کی لالچ مت بناؤ، لالچی آدمی بڑا خطرناک ہوتا ہے اور لالچ یہ بہت بری عادت ہے۔

اللہ تعالیٰ غلط اور گندی لالچ سے ہم سب کی حفاظت فرمائے، ہمارے دلوں کو دنیا کی گندی لالچ سے پاک اور صاف فرمائے۔

دنیا کے غموں سے حفاظت کی نبوی دعا

حدیثِ پاک میں ایک دعا آئی ہے، میں آپ سب کو وہ دعا سکھلاتا ہوں:

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا. (الترمذي: بہ حوالہ الحزب الأعظم)

ترجمہ: اے اللہ! دنیا کو ہمارا مقصودِ اعظم اور منتہائے علم نہ بنا۔

آج ہماری فکر، ہمارا ٹینشن، ہماری سوچ، ہماری سب سے بڑی پلاننگ دنیا کے معاملے میں ہوتی ہے:

کیسے مال و دولت زیادہ ملے؟

کیسے روپیہ، پیسہ زیادہ ملے؟

کیسے مال وسامان زیادہ ملے؟

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی:

اے اللہ میری فکر، میری سوچ سب سے زیادہ دنیا کے لیے مت بنانا اور ہمارا علم، ہماری جان کاری کی انتہا اس دنیا کو مت بنانا۔

اللہ تعالیٰ دنیا کی ناپاک محبت سے ہمارے دلوں کو سلامت رکھیں، آمین۔

شیطان نے اللہ کے مبارک نام کی جھوٹی قسم کھائی

پھر اس شیطان نے قسم کھائی اور قسم کھا کر کے کہا:

وَقَاسَمَهُمَا اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النَّاصِحِیْنَ.

اور قسم کھا کر ان دونوں سے شیطان نے کہا: یقین رکھو میں تم دونوں کے لیے بھلائی ہی چاہنے والوں میں سے ہوں

شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا کے سامنے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائی اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ: میں تو تمھارا خیر خواہ ہوں، تمھاری بھلائی چاہتا ہوں، جس میں تمھارا نفع، تمھارا فائدہ اور تمھاری بھلائی ہو میں ایسی بات تم کو بتلا رہا ہوں کہ: تم اس درخت میں سے کھالو۔

اللہ کے مبارک نام کی جھوٹی قسم کھا کر اپنے آپ کو خیر خواہ بتایا اور اس طرح حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا کے اوپر شیطان نے محنت کی۔

اللہ کا نام لے کر کوئی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا

میری دینی بہنو! جب شیطان نے قسم کھائی اور یقین دلایا تو حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا دونوں کے دونوں شیطان کی بات میں آ گئے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا اتنے نیک اور بھولے بھالے اور اتنے سیدھے سادے تھے کہ انھوں نے یہ سوچا کہ یہاں کوئی اللہ کا نام لے کر جھوٹی قسم کھاوے یہ تو ناممکن بات ہے؛ اس لیے شیطان کی بات کو انھوں نے سچ مان لی اور ان کو یقین آ گیا۔

اس قصے کا ایک بہت ہی اہم سبق

میری دینی بہنو! میں خاص کر کے اپنی جوان، غیر شادی شدہ بہنوں کو یہ بات سنانا چاہتا ہوں کہ بہت سے لوگ اللہ کے نام کی جھوٹی جھوٹی قسم کھا کر تم کو پھنسانے کی کوشش کریں گے کہ میں تیرا بہت بہترین دوست ہوں، میں تیرے ساتھ اچھا رہوں گا، میری اور تیری زندگی بہت اچھی رہے گی، اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی جھوٹی قسم کھا کر وہ تم کو اپنے ناپاک پھندے میں پھنسانے کی کوشش کریں گے۔

یاد رکھنا کہ یہ شیطان کی ناپاک چال ہے، شیطان نے بھی اللہ کے نام کی جھوٹی قسم کھائی تھی اور جھوٹی قسم کھا کر کے ماں حوا رضی اللہ عنہا اور حضرت آدم علیہ السلام کو اس درخت کے کھانے کی دعوت دی تھی۔

اللہ تعالیٰ ایسی جھوٹی قسم کھا کر دھوکے میں ڈالنے والوں سے ہماری حفاظت فرماوے، ایسی میٹھی میٹھی باتیں کر کے دھوکے میں ڈالنے والوں سے حفاظت فرماوے،

آمین۔ یہ اس قصے کا بہت ہی اہم نکتہ ہے۔

ممانعت کو شفقت سمجھا، قانون نہیں سمجھا

بعض مفسرین نے ایک توجیہ یہ بھی لکھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس درخت کے کھانے سے جو منع فرمایا ہے وہ شفقت کی بات ہے، قانونی بات نہیں ہے، شرعی پابندی نہیں ہے اور چھوٹوں کی عادت بہت سی مرتبہ ایسی ہوتی ہے کہ بڑوں کی طرف سے جو بھی بات بطور شفقت کے کہی جائے چھوٹے اس کے خلاف ہی کرتے ہیں۔

پہچان نہ ہو سکی

شیطان کو اللہ تعالیٰ نے الگ الگ شکل اختیار کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے؛ اس لیے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شیطان نے کوئی ایسی شکل اپنائی ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا اس کو پہچان ہی نہ سکے کہ یہ شیطان ہے اور نہ پہچانتے ہوئے اس کی بات مان لی۔

آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا کا درخت میں سے کھالینا

چنانچہ جب اتنی ساری باتیں آئیں تو حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا اس درخت کے قریب گئے اور انھوں نے اس میں سے ایک پھل تھوڑا سا توڑا اور توڑ کر اس کو کھالیا۔

آپ غور کریں، خاص طور سے آم پر کہ جب ہم آم کو اس کی شاخ سے توڑتے

ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ وہاں سے چکنا چکنا مادّہ نکلتا ہے اس کو ہم گجراتی میں چک بولتے ہیں اور اس کو دھونے کے بعد پھر ہم آم کھاتے ہیں۔ یہ چکنا مادّہ بہت سے درختوں میں ہوتا ہے۔

پھل توڑ کر کھانے کے نقصانات

(۱) عورتوں میں حیض کا خون آنے کی شروعات:

جب حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا نے اس درخت پر سے ایک پھل توڑا تو اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

روایتوں میں آتا ہے کہ جب انھوں نے اس درخت پر سے پھل کو توڑا اور چکنا چکنا مادّہ نکلا تو اللہ تعالی کی طرف سے تقدیراً یہ طے کر دیا گیا کہ عورت ذات کے اندر سے ایسی چکنی چیز ہر مہینے آتی رہے گی جس کو حیض کا خون کہا جاتا ہے، اس کا نظام وہاں سے شروع ہوا، مقدر میں تو تھا کہ عورت کو حیض آئے گا؛ لیکن اس کی شروعات اس طریقے سے ہوئی کہ وہاں درخت پر سے پھل توڑنے کی وجہ سے چکنا مادہ نکلا تو کہا کہ اس عورت ذات کے اندر ہمیشہ چکنا مادہ آتا رہے گا۔

(۲) دوسرا ردِّ عمل یہ ہوا کہ عقل میں کمی آ گئی، ناقصات العقل والدین۔

(۳) تیسرا ردِ عمل یہ ہوا کہ حمل میں تکلیف آنا شروع ہو گئی۔

جنتی کپڑے خود بہ خود اتر گئے

اور اس درخت کو کھاتے ہی ایک بہت بڑا ردِ عمل یہ ہوا کہ ماں حوا رضی اللہ عنہا

اور حضرت آدم علیہ السلام کے بدن پر جو کپڑے تھے وہ کپڑے خود بہ خود قدرتی طور پر نکل گئے، یہ کپڑے نکل جانے کی بات قرآن کی آیت میں ہے۔

وہ کپڑے کس چیز کے بنے ہوئے تھے؟

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ: جنت میں ایک خوشبودار درخت تھا، اس درخت سے بنے ہوئے خوشبودار کپڑے تھے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ: وہ اللہ تعالیٰ کے نور کے بنے ہوئے کپڑے تھے اور اس نور کے کپڑے سے ان کا بدن ڈھکا ہوا تھا، جیسے ہی انھوں نے درخت کو ہاتھ لگایا وہ نورانی کپڑے بدن سے اتر گئے اور دونوں کا ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا نے کبھی ایک دوسرے کا ستر نہیں دیکھا تھا

حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا اس طرح جنت میں زندگی گزارتے تھے کہ انھوں نے کبھی ایک دوسرے کا ستر نہیں دیکھا تھا، چوں کہ اس وقت جنت میں شہوت نہ تھی اور استنجا کا تقاضا تو جنت میں ہے ہی نہیں؛ اس لیے کپڑے اتارنے کی نوبت آئی ہی نہیں؛ اس لیے ستر والے اعضا سے واقفیت بھی نہیں تھی۔

لیکن اس قصے کے پیش آنے پر بدن سے نور کے کپڑے اتر گئے اور دونوں کا ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گیا، جب دونوں کا ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گیا تو ان دونوں کو اپنا ستر ایک دوسرے سے چھپانے کی فکر ہوئی۔

انجیر کے درخت کے پتوں سے ستر چھپایا

فکر ہوئی کہ ستر کس طرح چھپائے؟

جنت میں ادھر ادھر انھوں نے دیکھا تو وہاں قریب میں انجیر کا درخت نظر آیا، انجیر جس کو عربی میں ''تِیْن'' کہتے ہیں، اس کے پتے انھوں نے توڑے اور توڑ کر جلدی جلدی اپنے بدن پر لگانا شروع کیا اور پتے لگا کر اپنے بدن کو چھپا لیا۔

شرم وحیا کا مادہ انسان میں طبعی اور فطری ہے

میری دینی بہنو! اس سے ایک سبق ہم کو یہ سیکھنے کو ملا کہ مرد اور عورت دونوں کی طبیعتیں، دونوں کی نظریں اور دونوں کا مزاج اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسا بنایا ہے کہ کوئی بھی کھلے ہوئے بدن سے رہنا پسند نہیں کرتا؛ حالاں کہ پوری جنت میں دوسرا کوئی نہیں تھا، صرف حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا تھے، دونوں میاں بیوی اکیلے تھے؛ لیکن اس کے باوجود بھی جب ان کے کپڑے اتر گئے اور ان کا ستر کھل گیا تو انھوں نے ایک منٹ کے لیے بھی ننگا رہنا پسند نہیں کیا، فوراً دوڑے اور جلدی جلدی درخت کے پتے لگا کر انھوں نے اپنے بدن کو چھپانا شروع کیا۔

ایک بہت قیمتی بات

یہاں ایک قیمتی بات ذہن میں رکھنا کہ بدن سے جنت کے نورانی کپڑے کیوں اتر گئے؟

اس لیے کہ ایک چوک ہوگئی: اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ: اس درخت کے پاس

مت جانا، اس میں سے مت کھانا، جس چیز کے کھانے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا وہ چیز کھالی تو اس کا نقصان یہ ہوا کہ بدن پر سے جنت کے نورانی کپڑے اتر گئے۔

حرام کھانے سے زندگی میں بے حیائی اور بے شرمی آتی ہے

میری دینی بہنو! یہ بہت اہم نکتہ ہے کہ حرام کھانا جب پیٹ میں جاتا ہے تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مرد اور عورت بے حیا بن جاتے ہیں، زندگی میں بے حیائی آجاتی ہے۔

آپ جن مسلمان عورتوں کو بے حیا دیکھو کہ ان کے کپڑے کم ہیں، بدن دکھائی دے رہا ہے ایسے کپڑے پہنے ہیں تو ممکن ہے کہ اس نے حرام کھانا کھایا ہوگا، حرام کھانا اس کے پیٹ میں گیا ہوگا، وہ ناجائز چیز کھاتی ہوگی، ممکن ہے کہ یہ اسی کا نتیجہ ہو؛ اس لیے کہ جب حرام، ناجائز، غلط چیز پیٹ میں جاتی ہے تو زندگی میں بے حیائی اور بے شرمی آتی ہے۔

اس لیے اپنے آپ کو حرام، ناجائز، گندی، غلط چیزیں کھانے سے بچاؤ۔ یہ جنت کے حوالے سے بات کہہ رہا ہوں۔

بغیر ضرورت کے ننگا رہنا یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں

ایک اور خاص بات میں آپ کو سنانا چاہتا ہوں کہ: حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا دونوں میاں بیوی جنت میں اکیلے تھے اور کوئی نہیں تھا، پھر بھی ان دونوں نے ننگے بدن رہنا پسند نہیں کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہم اکیلے ہوں، تنہائی میں ہوں تو بھی میاں بیوی کو بغیر ضرورت کے ننگا نہیں رہنا چاہیے۔

آج کل یہ گناہ عام ہوگیا ہے

اس لیے یہ بات سن لو! مجھے یہ کہنا اچھا نہیں لگتا؛ لیکن یہ گناہ آج عام ہورہا ہے؛ اس لیے مجھے کھل کر کہنا پڑ رہا ہے کہ مرد ہو کہ عورت، میاں بیوی دونوں روم میں اکیلے بھی ہوں تو بھی بغیر ضرورت کے ننگے بدن رہنا اللہ تعالی کو پسند نہیں۔

دوسری حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کا زیادہ حق ہے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں کہ ہم اس سے شرم اور حیا کریں۔

(ترمذی شریف: ۲۷۹٤، باب ماجاء في حفظ العورة)

ہم جب تنہائی میں ہوتے ہیں تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھتے ہیں؛ اس لیے بغیر ضرورت کے اپنے سونے کے کمرے میں بھی بالکل ننگا نہیں رہنا چاہیے۔

ایک بہت ہی اہم حدیث

میں اس موقع پر ایک اور حدیث آپ کو سنادوں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا - یہ بہت اونچے درجے کی بات ہے؛ حالاں کہ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ کے نبی کی تمام بیویوں میں سب سے کم عمر کی، سب سے پیاری اور کنواری اگر کوئی بیوی تھی تو ماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں وہ - ارشاد فرماتی ہیں کہ: پوری زندگی گذر گئی؛ لیکن میں نے کبھی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر نہیں دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ستر نہیں دیکھا۔ (ابن ماجه: ٦٦٢)

یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پوری زندگی کی بات کرتی ہیں اور سوچیۓ! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی اتنی پیاری، اتنی چہیتی اور کنواری بیوی ایسا فرمارہی ہیں۔

یہ بہت ضروری مسئلہ ہے، میں ان مسائل کو زیادہ آپ کے سامنے پیش نہیں کر سکتا، آئندہ کل ظہر کے بعد مسجد میں اس طرح کے مسائل مردوں کو بہت تفصیل سے کہنے والا ہوں، آپ اپنے گھر کے مردوں کو آئندہ کل ظہر کی مجلس کے لیے خاص تاکید کریں کہ کل ظہر کے بعد کی مجلس میں وہ حاضر ہوں، میں ان سب مسائل کو وہاں ان شاء اللہ بہت تفصیل سے ذکر کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی

خیر! حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جلدی جلدی جنت کے پتے اپنے بدن پر لگا دیے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ:

اے آدم! میں نے تم کو یہ نہیں کہا تھا کہ: اس درخت سے مت کھانا!

میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ: شیطان تمھارا کھلم کھلا دشمن ہے!

کیوں تم نے شیطان کی بات مان لی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَأَقُلْ لَّكُمَا اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ. (الأعراف: ۲۲)

ترجمہ: اور اس وقت ان دونوں کے رب نے ان دونوں کو آواز دی کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت کے پاس جانے سے نہیں روکا تھا اور میں نے تم دونوں سے نہیں کہا تھا کہ یقیناً شیطان تم دونوں کا کھلم کھلا دشمن ہے؟

ایک اہم نکتے کی بات

ساتھ میں اللہ تعالیٰ نے کتنی پیاری بات فرمائی کہ:

اے آدم اور حوا! اس جنت میں بہت ساری نعمتیں ہیں جن کے کھانے کی میں نے تم کو اجازت دی تھی، کیا وہ تمھارے لیے کافی نہیں تھیں کہ ایک درخت جس کے کھانے سے میں نے تم کو روکا تھا اس کو کھانے کے لیے تم چلے گئے؟

اتنی ساری حلال نعمتیں؛ پھر بھی حرام کی طرف کیوں؟

یہ بہت اہم بات ہے کہ آج دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہزاروں نعمتیں حلال کی ہیں، کیا وہ نعمتیں ہمارے لیے کافی نہیں ہیں کہ ہم حرام چیز کو کھانے جاویں؟

کتنی پینے کی چیزیں حلال ہیں؟

قسم قسم کے جوس ہیں، قسم قسم کے شربت ہیں، پھر بھی آدمی شراب پینے جاوے؟

اللہ تعالیٰ نے کتنا کھانا حلال کیا ہے، پھر آدمی کسی حرام چیز کے کھانے کے لیے کیوں جاوے؟

حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے یہی اہم نکتہ بتلایا۔

اقرارِ گناہ یہی شانِ عبدیت ہے

حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ: اے ہمارے اللہ! بے شک وہ نعمتیں بہت تھیں؛ لیکن شیطان نے آپ کے پاک نام سے قسم کھائی، ہم کو معلوم نہیں تھا کہ کوئی آپ کے پاک نام سے جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے، اس لیے ہم نے کھا لیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: اے آدم اور حوا! اب تو تم کو جنت سے باہر نکلنا پڑے گا، اب تمھیں دنیا میں جانا ہے، ہم نے تقدیر ایسی لکھی تھی کہ تم اس درخت میں سے کھاؤ گے، جنت سے نکال کر دنیا میں بھیجے جاؤ گے اور ہم کو یہ دنیا آباد کرنی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں اتارا گیا

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں اتارا، ''سراندیپ'' نام کی ایک جگہ ہے، آج بھی وہاں ایک پہاڑ ہے، اس پہاڑ پر ایک پتھر ہے جس پر پاؤں کے نشان ہیں، کہتے ہیں کہ: وہ حضرت آدم علیہ السلام کے قدم کے مبارک نشانات ہیں، اسی ''سراندیپ'' کو آج کل ''سری لنکا'' کہتے ہیں، وہ پہلے ہندوستان میں تھا پھر الگ ہو گیا، وہاں حضرت آدم علیہ السلام کو اتارا گیا۔

ماں حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جدہ میں اتارا گیا

حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو جدہ میں اتارا۔ ''جدہ'' عربی میں دادی کو کہتے ہیں اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا تمام انسانوں کی دادی ہے؛ اس لیے جس جگہ حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو اتارا گیا اس جگہ کا نام ''جدہ'' بن گیا۔

میں نے جدہ شہر میں خود اپنی آنکھ سے وہ قبرستان دیکھا ہے، چھوٹا سا قبرستان ہے، اس میں لکھا ہوا ہے:

هُنَا مَقْبَرَةُ أُمِّنَا حَوَّاء.

یعنی یہ وہ قبرستان ہے جس میں ہماری ماں حوا رضی اللہ عنہا کی قبر موجود ہے۔

جنت سے کیا ساتھ لائے؟

تفسیری روایتوں میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا جب دنیا میں تشریف لائے تو ساتھ میں چند چیزیں لے کر آئے:

(۱) جنت کے خوشبودار پھول پتے جو زمین پر پھیلا دیے، اس کی برکت سے ہندوستان میں اعلیٰ ترین ''عود'' اُگتا ہے۔

(۲) حجرِ اسود وہ اندھیرے میں چاند کی طرح چمکتا تھا اور حرم کی حدود تک اس کی روشنی پھیلتی تھی۔

(۳) ماں حوا رضی اللہ عنہا ساتھ میں تنور بھی لائی، شاید اسی وجہ سے عورتوں میں کچن کے سامان اور برتنوں کی محبت زیادہ نظر آتی ہے۔

(۴) لوہاری کے دوتین اوزار۔

(۵) تقریباً دس گز لمبا عصا۔ شاید وہی بعد میں عصائے موسیٰ سے مشہور رہوا۔

(۶) قسم قسم کے بیج۔

(۷) سونا چاندی بھی ساتھ آیا، اس کے چشمے زمین میں جاری ہو گئے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا بہت نرم دل تھے

دونوں کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا اور دونوں نے کبھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی نہیں دیکھی تھی، ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی خوشی، محبت بھری، پیار والی، نرمی والی باتیں سنی تھیں، اب اللہ تعالیٰ کی کچھ ناراضگی دیکھنے اور سننے کو ملی تو دل پر بہت اثر ہوا، حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا پتھر دل نہیں تھے، بہت نرم دل تھے، ان میں اللہ تعالیٰ کی

ناراضگی برداشت کرنے کی طاقت نہیں تھی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسا پتھر دل بننے سے محفوظ رکھے۔

بعض مرتبہ انسان کا دل گناہ کرتے کرتے ایسا پتھر جیسا بن جاتا ہے کہ پھر مرد ہو یا عورت بے فکر بن جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

گناہ کرو، کون ہمارا بگاڑ لے گا؟

کس کو ہمت ہے ہم کو روکنے کی؟

ایسے بے خوف ہونے سے اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین۔

خاص طور پر دین کے معاملے میں، اللہ کے معاملے میں ڈر ڈر کے رہنا چاہیے کہ کبھی ذرا برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہ ہو جاوے۔

پہلی مرتبہ غلطی، معافی کیسے مانگے؟

چوں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پہلی مرتبہ غلطی ہوئی تھی، کسی سے آج تک غلطی نہیں ہوئی تھی تو معافی کیسے مانگنی ہے وہ بھی معلوم نہیں اور دل میں یہ سوچا کہ اگر ہم معافی مانگنے جائیں تو کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکل جائے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہو اور خدا کی شان میں بے ادبی ہو جائے؛ اس لیے انھوں نے معافی مانگنے میں جلدی نہیں کی؛ بلکہ خود اللہ تعالیٰ سے کہا کہ: اے اللہ! معافی مانگنے کا طریقہ بھی آپ ہی بتائیے، کیسے معافی مانگیں، ہم کو تو معافی مانگنا بھی نہیں آتا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا کتنا روئے؟

دونوں رونے لگے، تقریباً دوسو (۲۰۰) برس روئے۔

اتنا روئے اتنا روئے میری دینی بہنو! اگر حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا کے آنسوؤں کو جمع کیا جائیں تو پوری دنیا میں ندی بہنے لگے۔

کہتے ہیں کہ: تمام انسانوں کے آنسو ایک طرف اور حضرت داؤد علیہ السلام کے آنسو ایک طرف، تمام انسانوں میں سب سے زیادہ حضرت داؤد علیہ السلام روئے اور حضرت داؤد علیہ السلام سے زیادہ حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا روئے۔

چالیس سال یا تین سو سال تو ایسے گذرے کہ انھوں نے شرم کے مارے نیچے سے اوپر نہیں دیکھا، چالیس روز کھانا نہیں کھایا، بھوکے رہے، سو سال جماع نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ نے بہت پیاری دعا سکھلائی

آخر اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ایک دعا سکھلائی، بہت پیاری دعا ہے، وہ دعا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نقل فرمائی ہے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. (الأعراف: ٢٣)

دونوں دعا کر رہے ہیں کہ: اے ہمارے رب! ہم نے ہماری جانوں پر ظلم کیا، اگر آپ معاف نہیں کریں گے، رحم نہیں کریں گے تو ہماری تو دنیا اور آخرت سب برباد ہو جائے گی، اے اللہ! رحم کیجیے، معاف کر دیجیے۔

یہ بہت پیاری دعا ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا کو سکھلائی تھی اور جو مسلمان بندہ اور بندی یہ دعا پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے

روئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بھی معاف کردیں گے۔

توبہ قبول؛ لیکن!

یہ دعا دونوں مانگتے گئے اور روتے گئے، اللہ تعالیٰ کے سامنے معافی مانگتے رہے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی توبہ کو قبول کرلیا اور ان دونوں کو معاف فرمادیا؛ لیکن سزا اپنی جگہ پر باقی رہی کہ دنیا میں جانا ہے، دنیا میں زندگی گزارنی ہے، دنیا میں تم رہو گے، موت آئے گی اور قبر میں دفن ہونا ہے اور پھر دوبارہ نکل کر قیامت کے میدان میں آنا ہے، یہ سلسلہ اب دنیا میں تمھارے ساتھ چلتا رہے گا۔

نبیوں کی معصومیت پر ایمان لانا ضروری

حضرت آدم علیہ السلام اور تمام انبیا معصوم ہیں، یہ عقیدہ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے کوئی بڑا گناہ نہیں ہوا؛ بلکہ معمولی سی چوک ہوگئی، خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنے کا دل میں کوئی ارادہ نہیں تھا، شیطان کے وسوسے کی وجہ سے بھول گئے جس کو ہم اپنی زبان میں بھول کے بعد والا لفظ ''چوک ہوگئی'' سے تعبیر کرتے ہیں، یہ غلطی بال جیسی تھی؛ لیکن جب بال بھی آنکھ میں گرتا ہے تو کھٹکتا ہے، اسی طرح سے غلطی بھی کھٹکنے لگی اور معافی مانگنے کی شروعات ہوگئی۔

اب دنیا میں کیا ہوگا؟

میری دینی بہنو! حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ کے حکم سے دنیا میں آگئے، اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

جنت میں بھوک نہیں لگتی تھی، دنیا میں بھوک بھی لگے گی۔

جنت میں پیاس نہیں لگتی تھی، دنیا میں پیاس بھی لگے گی۔

جنت میں گرمی نہیں لگتی تھی اور دنیا میں گرمی بھی لگے گی۔

جنت میں آپس میں محبت اور الفت تھی، دنیا میں جانے کے بعد لڑائی، جھگڑے، فتنے ہوں گے، انسانوں میں آپس میں جھگڑے ہوں گے، مرد مرد میں، عورت عورت میں، میاں بیوی میں، اولاد میں، انسان اور شیطان میں جھگڑے ہوں گے۔

یہ سب چیزیں دنیا میں پیش آئیں گی۔

دنیا میں کامیابی کا راستہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دنیا میں جاؤ، میں اپنے نبیوں کے ذریعے ہدایت اور صحیح دین بھیجوں گا، جو میری ہدایت اور صحیح دین پر چلے گا وہ دنیا میں کبھی گمراہ نہیں ہوگا اور جو میرے دین اور میرے احکام سے منہ پھرائے گا میں اس کی زندگی کو تنگ کر دوں گا اور میں اس کو قیامت کے دن اندھا بنا کر اٹھاؤں گا۔

رونے والی آنکھیں اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری ہیں

میری دینی بہنو! گناہ کے معاملے میں کبھی غفلت مت کرو۔

دیکھو! حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا سے ایک چھوٹی سی غلطی ہوگئی؛ لیکن وہ دونوں اطمینان کے ساتھ نہیں بیٹھے؛ بلکہ فوراً اللہ تعالیٰ کے سامنے رونا شروع کر دیا۔

میری دینی بہنو! ہم انسان ہیں، کمزور ہیں، غلطی ہو جاتی ہے، گناہ ہو جاتے

ہیں؛ لیکن اس کے بعد ہم چین سے نہ بیٹھیں، اپنے اللہ کے سامنے مسلسل معافی مانگنے والے بنیں، رونے والے بنیں، جتنی راتیں، جتنے دن رمضان کے باقی ہیں اس میں خوب روؤ، معافی مانگو۔ اپنے اللہ کے سامنے رونے کی اور معافی مانگنے کی پوری زندگی عادت بناؤ، کوشش کریں کہ گناہ نہ ہو؛ لیکن شیطان اگر بہکا کر گناہ کروا دیوے تو فوراً انسان معافی مانگنے والا بنے۔

دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی اللہ سے مانگنی چاہیے

دوسری خاص بات یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا دونوں نے اپنی ہر ضرورت کے لیے اللہ تعالی سے دعا کی، دوسری آیت میں ہے:

لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ. (الأعراف: ۱۸۹)

ترجمہ: (اے اللہ!) اگر آپ ہم کو صالح (مکمل، تندرست) اولاد دیں گے تو ہم شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا نے یہ دعا مانگی تھی۔

لہذا! ہماری دینی ضرورت ہو کہ دنیا کی ضرورت ہو ہر ضرورت ہم اللہ تعالیٰ سے مانگیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی ضرورت کو اپنے خزانۂ غیب سے پورا فرمائیں گے ان شا اللہ۔

اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دیتے ہیں ان پر ہم شکر ادا کرنے والے بنیں، ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی اللہ سے دعا مانگتے تھے تو یہ دعا ضرور مانگتے تھے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. (البقرة)

اے ہمارے اللہ! آپ ہم کو دنیا میں بھی اچھائی دیجیے اور آخرت میں بھی اچھائی دیجیے اور جہنم کی آگ سے ہم کو بچا کر کے رکھیے۔

لہذا! اللہ تعالیٰ سے دنیا کی بھلائی بھی مانگو، آخرت بھی مانگو، دین بھی مانگو، دنیا بھی مانگو، ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنے والے بنو، جیسے حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا نے مانگا ہے۔

ایک بہت ہی قیمتی بات

اور ایک بہت قیمتی بات جو اس قصے کے اخیر میں اللہ نے ارشاد فرمائی:

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِيْن. (الأعراف: ٢٤)

میری دینی بہنو! یہ خاص بات اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا کو سنائی کہ: اے آدم اور حوا! اس دنیا میں تم کو تھوڑے دنوں کے واسطے رہنا ہے، فقط تھوڑا سا وقت دنیا میں ملا ہے۔

دنیا میں جنتی میوہ یاد آیا

تفسیری روایتوں میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے انتقال کا وقت قریب آیا تو جنتی میوے کی چاہت ہوئی، حضرت آدم علیہ السلام کا عام معمول تھا کہ جب بھی کوئی ضرورت پیش آتی تو اللہ تعالیٰ کے پاس دعا کرتے، حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ: جاؤ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور میوے کا سوال کرو۔

آپ کی اولاد کعبہ کی طرف جانے کے لیے روانہ ہوئی، راستے میں حضرت

جبرئیل علیہ السلام کی ملاقات ہوئی، انھوں نے سوال کیا کہ: کہاں جارہے ہو؟

بتایا: ابا کے لیے جنتی میوے کی دعا کرنے کے لیے جارہے ہیں۔

اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: میرے ساتھ واپس چلو، ہم ان کے مطلب کی چیز لائے ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دوسرے فرشتے بھی تھے، انھوں نے آکر آپ کو سلام کیا اور آپ کی روح قبض کی۔

حضرت آدم علیہ السلام کا کفن دفن اور قبر

انتقال کے بعد فرشتے جنت کی خوشبو لائے، جنتی کفن لائے، طاق عدد میں غسل دیا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کا جنازہ تیار کیا گیا، حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد در اولاد میں سے سو افراد جنازہ اٹھا کر لے گئے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے چار تکبیر سے نماز پڑھائی، قبلہ کی طرف سے قبر میں اتارا، بغلی قبر بنائی گئی اور قبر کو ہان نما بنائی گئی، ایک روایت کے مطابق منیٰ میں مسجدِ خیف کے بیچ میں آپ کی قبر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد

تفسیری روایتوں کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کی حضرت حوا رضی اللہ عنہا سے چالیس اولاد ہوئی، ہر مرتبہ کی ولادت میں جڑوے (تَوْأَمْ) پیدا ہوئے، ہر مرتبہ میں لڑکا، لڑکی پیدا ہوتے۔

کفّارے کے ساٹھ روزے کی حکمت

کہتے ہیں کہ: حضرت آدم علیہ السلام کا پُتلا زمین کے ساٹھ (۶۰) اجزا سے ملا

کر بنا گیا ہے؛ اس لیے انسانوں میں ساٹھ الگ الگ طبیعتیں ہیں اور کفارے میں ساٹھ روزے کی حکمت بھی یہی بتائی جاتی ہے۔

بعض تفسیری روایتوں میں ہے کہ آپ کے انتقال سے پہلے آپ کی اولاد در اولاد میں سے ایک لاکھ انسان تک پیدا ہو چکے تھے۔

آخر ایک دن موت آنے والی ہے

اس دنیا میں کسی کو ایک ہزار برس کی زندگی بھی مل جائے تو بھی آخرت کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے، ہم سے پہلی امتوں میں لوگ ایک ایک ہزار برس کی عمر کے ہوتے تھے، آٹھ سو برس کی عمر کے ہوتے تھے؛ لیکن وہ بھی دنیا سے چلے گئے، قبر میں جا کر سو گئے، اس امت کی عمر تو اللہ تعالیٰ نے بہت چھوٹی بنائی ہے، آج بھی جنات کی عمر بہت لمبی ہوتی ہے، آٹھ سو، ہزار، بارہ سو سال کی عمر ہوتی ہے؛ لیکن ان کو بھی موت آتی ہے، وہ بھی قبرستان جا کر سو جاتے ہیں۔

تو ہماری زندگی تو بہت چھوٹی ہے، اللہ تعالیٰ یہی سمجھاتے ہیں کہ: تمھیں دنیا میں بہت تھوڑے دنوں کے واسطے رہنا ہے، دنیا سے فائدہ اٹھانا ہے، دنیا بہت تھوڑی ہے، پتہ نہیں کب موت آ جاوے؟

آخرت کی یاد دلانے والے بہترین اشعار

ایک اللہ کے ولی نے بہت اچھے شعر سنائے، آخرت، قبر اور موت کو سامنے رکھ کر کہ یہ شعر سنو، ان شا اللہ بہت فائدہ ہوگا:

آدمی کا جسم کیا ہے جس پہ شیدا ہے جہاں	ایک مٹی کی عمارت، ایک مٹی کا مکاں

کہ انسان کا جسم کیا ہے جس پر آج دنیا مرتی ہے؟ یہ جسم ایک مٹی کی عمارت ہے اور ایک مٹی کا مکان ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

چند سانسوں پہ کھڑا ہے یہ خیالی آسماں	خون کا گارا بنایا، اینٹ جس میں ہڈیاں
یہ عمارت خاک میں مل جائے گی	موت کی پرزور آندھی جس دم آکر ٹکرائے گی

یعنی ایک عمارت ہے اور موت کی ایک آندھی ہے، موت نام کا ایک طوفان آئے گا، آندھی آئے گی اور یہ ہماری جسم نام کی عمارت ٹوٹ جائے گی اور قبر میں جا کر سو جانا پڑے گا۔

میری دینی بہنو! یہ دنیا ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے، ماں حوا رضی اللہ عنہا اور حضرت آدم علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجا تھا تب ہی کہہ دیا تھا کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں ہے۔

اس لیے آخرت کی فکر کرو، قبر کی فکر کرو، موت کی فکر کرو، جنازے کی فکر کرو، قیامت کی فکر کرو، اللہ تعالیٰ کے سامنے جانے کی فکر کرنے والیاں بنو۔

دنیا میں آنے کے بعد ماں حوا رضی اللہ عنہا اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا سلسلہ شروع ہوا اور ان کی اولاد کا قصہ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کی فکر نصیب فرمائے، اس پورے قصے میں جو نصیحت اور عبرت کی باتیں ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویوں کا مبارک قصہ

(پہلی قسط)

اقتباس

یہ زمزم ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی قربانی کی برکت ہے،ایک عورت ذات کی قربانی ہے، ایک جوان عورت اپنے دودھ پیتے بچے کو لے کر جنگل میں رہی، اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے زمزم کا پانی انسانوں کو عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے زمزم میں یہ طاقت رکھی ہے کہ جس نیت سے پیو اللہ تعالیٰ وہ نیت پوری فرماتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے: ماء زمزم لما شرب له۔ زمزم کا پانی جس نیت سے پیو اللہ تعالیٰ اس نیت کو پوری فرمائیں گے۔

متعدد حضرات نے زمزم کو شفا کے لیے بھی استعمال کیا اور بہت سوں کو فائدہ بھی ہوا، ضرورت ہے یقین کی۔

اور دنیا کے بڑے بڑے ڈاکٹر اس پانی کی مختلف لیبارٹری میں جانچ کر چکے ہیں، وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ:

اس وقت دنیا میں سب سے عمدہ پانی ''زمزم'' ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ،وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا،وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا،وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا،مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَه، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِیَ لَهٗ،وَنَشْهَدُ أَنْ لَّاۤاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ،وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَ شَفِيْعَنَاوَحَبِيْبَنَا وَاِمَامَنَاوَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ،صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ وَ أَهْلِ بَيْتِهٖ وَأَهْلِ طَاعَتِهٖ، وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً كَثِيْراً. أَمَّا بَعْدُ!

حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویوں کا مبارک قصہ آپ کو سناتا ہوں جو قرآن میں بہت سی جگہوں پر آیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ومرتبہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور پیغمبروں میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت اونچا مقام اور درجہ عطا فرمایا تھا، اتنا اونچا مقام عطا فرمایا تھا کہ ایک حدیث کے مطابق اس دنیا میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی آئے، ان میں پہلا نمبر حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور دوسرا نمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے، اتنے بڑے اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویوں کا قصہ قرآن میں آیا ہے، اس میں سے

ایک بیوی کے متعلق ایک قصہ آپ کو پچھلے سال سنایا تھا جو الحمد اللہ خطباتِ محمود، جلد: چہارم (۴) میں بھی چھپ چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ.(الحج:۲۶)

ترجمہ: اور جب ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو گھر (کعبہ) کی جگہ بتلادی اور ہم نے یہ حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے اور (عبادت کے لیے) کھڑے رہنے والوں کے لیے اور رکوع، سجدہ کرنے والوں کے لیے (ظاہری و باطنی ناپاکی سے) پاک (صاف) رکھنا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شہر

حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق میں ''بابل'' ایک شہر تھا وہاں رہتے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق والوں کو دین کی دعوت دی؛ لیکن وہ لوگ ایمان نہیں لائے اور ابراہیم علیہ السلام کے دشمن بن گئے۔

ایک وفادار عورت: حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

پورے عراق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی صرف ان پر ایمان لائی، اس مبارک بیوی کا نام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا تھا، یہ آپ کی رشتے دار تھی، چچا کی یا ماموں کی لڑکی تھی، ان کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی شادی ہوئی تھی۔

یہ عورت بہت وفادار عورت ثابت ہوئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان بھی لائی اور جب عراق کے لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجبور کیا اور عراق کے بادشاہ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا، اللہ تعالیٰ نے آگ میں آپ کی حفاظت فرمائی اور نمرود ڈر گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید کی دعوت چلتی رہی تو لوگ ان کی دعوت قبول کرلیں گے تو خود نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عراق سے نکل جانے کا حکم دے دیا، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہجرت کرنی پڑی اس وقت یہ سارہ نام کی بیوی بھی آپ کے ساتھ ہجرت کرکے گئی۔

یہ بہت خوب صورت عورت تھیں اور اپنے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت ہی زیادہ مطیع اور فرماں بردار تھیں، ایمان بھی لائی اور ہجرت بھی کی۔

عورت کو دینی کاموں میں شوہر کا ساتھ دینا چاہیے

اللہ تعالیٰ ہماری دینی بہنوں کو یہ توفیق عطا فرماویں کہ دین کے کام میں وہ اپنے شوہر کی مدد کرنے والی بنیں۔ اللہ کے نبی ہجرت کرکے جارہے ہیں تو اس عورت نے ایسا نہیں کہا کہ: میں تو یہیں رہوں گی، میرے ماں باپ یہاں رہتے ہیں؛ بلکہ وہ عورت ہجرت کرکے ساتھ میں چلی گئی۔

رفیقِ ہجرت

تین آدمیوں کی جماعت تھی:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

(۲) آپ کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

(۳) آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام، وہ ایمان لائے تھے۔

بعض تاریخی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔

یہ تین آدمی عراق سے نکل کر چلے، چلتے چلتے مصر (Egypt) پہنچے۔

مصر کا بادشاہ-سِنان بن علوان جس کو فرعون کا لقب دیا جاتا تھا- بڑا ظالم تھا، اس نے ماں سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ غلط کام کرنے کی کوشش کی، جس قصہ میں نے آپ کو گذشتہ سال سنایا تھا جو خطباتِ محمود، جلد: چہارم (۴) میں چھپا ہوا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی اولاد نہیں تھی

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کر کے، اپنی بیوی سارہ کو لے کر ملکِ شام (Syria) پہنچے، اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر تقریباً پچاسی (۸۵) سال ہوگئی تھی اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی عمر ستتر (۷۷) سال ہوچکی تھی؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت کہ اتنی بڑی عمر ہوگئی اور ان کے گھر میں کوئی بچہ نہیں تھا، کوئی اولاد نہیں تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مصر کے بادشاہ کی لڑکی سے نکاح

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے خود ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا کہ:

اے اللہ کے نبی! ہماری شادی کو اتنے سال ہوگئے، کوئی اولاد نہیں ہوتی تو میں آپ کو ایک پیش کش کرتی ہوں کہ میرے پاس خدمت کرنے کے لیے ایک لڑکی ہے-وہ لڑکی مصر کے بادشاہ کی لڑکی تھی- کہا کہ: یہ لڑکی جو میری خدمت کرتی ہے اس کے ساتھ

آپ نکاح کر لیجیے، اللہ تعالیٰ کے یہاں مقدر ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے آپ کو اولاد عطا فرمائیں گے۔

خود حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے۔اپنی خدمت کے لیے جو مصر کے بادشاہ کی لڑکی تھی جس کا نام ''ہاجرہ'' تھا اس۔ہاجرہ کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شادی کروادی۔

شادی کے بعد میاں بیوی کو یہ دعا مانگنی چاہیے

اب نبی کے گھر میں نئی شادی ہوئی، ساتھ میں دعا بھی ہو رہی ہے:

رَبِّ هَبُ لِيُ مِنَ الصّٰلِحِيُنَ. (الصّٰفّٰت: ۱۰۰)

اے اللہ! ہم کو نیک اولاد عطا فرمایئے۔

یہ ایک نبی کی فیملی کی دعا ہے۔

میری دینی بہنو! شادی کے بعد میاں بیوی دونوں کو یہ دعا مانگنی چاہیے۔

اب یہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ایک بادشاہ کی لڑکی تھی لہذا نبی کے گھر میں کیسے رہنا چاہیے؟ تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے ان کی تربیت کی اور سکھلایا کہ نبی کے ساتھ کیسے رہنا چاہیے۔اس تربیت کی برکت سے دونوں کی زندگی بہت اچھے طریقے سے گذر رہی تھی۔

سوکنوں کا آپسی اختلاف پہلے سے چلا آرہا ہے

ہم جانتے ہیں کہ: دو سوکن جب جمع ہوتی ہیں تو کچھ نہ کچھ جھگڑے تو ہوتے

ہی ہیں، سوکنوں کے درمیان جو کھینچا تانی ہوتی ہے وہ بشری، انسانی تقاضوں سے ہوتی ہے اور یہ کوئی خاص عیب نہیں ہے، اس میں بشری طاقت عاجز ہو جاتی ہے۔

بہر حال! حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر میں بھی دو سوکنوں کے جمع ہونے کی وجہ سے کچھ گرما گرمی شروع ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سوچ رہے تھے کہ یہ دونوں کے درمیان جو ناراضگی اور جھگڑا ہے وہ کیسے ختم کریں؟

تو ان کے دل میں ایک بات یہ آئی کہ دونوں کو الگ الگ کر دینا چاہیے، دور دور کر دینا چاہیے تو جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پہلے خادمہ تھیں اب بیوی بن گئیں

دوسری بات یہ تھی کہ پہلے حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت کرتی تھیں، ان کے ماتحت تھیں اور اب جو ہے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی بن گئیں؛ اس لیے ان کا درجہ اونچا ہو گیا۔

نیک اولاد عزت کا ذریعہ ہیں

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیے! حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے بہت سال ہو گئے؛ لیکن ان کے یہاں بالکل اولاد نہیں تھیں اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی ہوئی تو تھوڑے ہی دنوں میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا حاملہ ہو گئیں اور ان کے پیٹ میں بچہ آ گیا، جیسے ہی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو حمل ٹھہرا، پیٹ میں بچہ آیا تو یہ بھی ان کی عزت کا ذریعہ بن گیا، اس سے ایک درجہ اونچا ہو گیا

کہ سارہ رضی اللہ عنہا پرانی بیوی ہے اور ان کے یہاں اولاد نہیں ہے اور یہ نئی بیوی حاملہ ہوگئی؛ اس لیے ان کا درجہ زیادہ اونچا ہوگیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خانۂ کعبہ بنانے کا حکم

اسی زمانے میں ایک تیسری بات یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا:

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْقَاۗىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ. (الحج:۲٦)

ترجمہ: اور جب ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو گھر (کعبہ) کی جگہ بتلا دی اور ہم نے یہ حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے اور (عبادت کے لیے) کھڑے رہنے والوں کے لیے اور رکوع، سجدہ کرنے والوں کے لیے (ظاہری و باطنی ناپاکی سے) پاک (صاف) رکھنا۔

نوح علیہ السلام کے زمانے میں جب پانی کا طوفان آیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو آسمان پر اٹھالیا تھا، صرف کعبہ کی بنیاد، پائے (Foundation) باقی رہ گئے تھے اور اس پر بھی لمبا زمانہ ہونے کی وجہ سے ریت آگئی تھی، مٹی آگئی تھی، وہاں ٹیلہ ہوگیا تھا۔

تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ: اے ابراہیم! میرے گھر کعبہ کو بناؤ، میرے گھر کعبہ کی تعمیر کرو۔

مدينة الخليل

یہ سب باتیں ایک ساتھ جمع ہوگئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ

چلو! بہت اچھا موقع ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم بھی آ گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اس زمانے میں ملکِ شام میں -حبرون نام کا ایک شہر ہے وہاں- رہتے تھے جس کو آج کل "مدینة الخلیل" کہتے ہیں۔

"خلیل" یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور "مدینۃ" کا مطلب "شہر" یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مبارک شہر۔

مقام و مرتبہ آدمی کے طور وطریق کو بھی بدل دیتا ہے

اب جب یہ سب باتیں ہوئیں تو جیسا کہ میں نے ابھی آپ کو بتایا کہ حاملہ ہونے کی وجہ سے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا درجہ تھوڑا اونچا ہو گیا، پہلے وہ خدمت کرنے والی تھی، اب بیوی ہو گئی اور نبی کے گھر میں اولاد نہیں تھی اور نئی بیوی کے پیٹ میں بچہ آ گیا تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بات کرنے کا طریقہ تھوڑا بدل گیا۔

حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دھمکی اور قسم

ایک دن حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو دھمکی دی اور کہا کہ: سیدھی سیدھی رہ، ورنہ میں تیرے ناک، کان کاٹ ڈالوں گی۔

اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے اس پر قسم کھالی کہ:

اے ہاجرہ! اگر تو سیدھی سیدھی بات نہیں کرے گی تو میں تیرے جسم میں سے دو تین عضو کاٹ ڈالوں گی۔

چوں کہ پہلے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا مالکہ تھیں اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ

عنہا ان کے ماتحت میں تھیں؛اس لیے وہ پرانے طرز میں ماں سارہ رضی اللہ عنہا نے دھمکی دی اور قسم کھالی۔

جیسے بعض لوگ بچے پر غصے ہوجاتے ہیں تو کہتے ہیں: کان کاٹ ڈالوں گا اور ماتحت والا فرد کتنا ہی بڑا ہوجائے بڑوں کے برتاؤ میں مکمل تبدیلی آنا مشکل ہوتا ہے۔

قسم پورا کرنے کا عجیب طریقہ

اب چوں کہ قسم کھالی تھی؛اس لیے بعد میں اس قسم کو پورا کرنے کے لیے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے کان اور ناک میں سوراخ کیا گیا، چوں کہ دھمکی دی تھی ناک اور کان کاٹ ڈالنے کی اور وہ کاٹنا تو مشکل تھا اور قسم کھائی ہے، قسم پوری نہ کرے تو قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ دینا پڑے گا؛اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طریقہ بتایا گیا کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے کان اور ناک میں سوراخ کرو؛ تاکہ قسم پوری ہوجائے۔

سب سے پہلے کان اور ناک میں سوراخ کروانے والی عورت

سب سے پہلے اس دنیا میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کان اور ناک میں سوراخ کیا گیا تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نئی اور چھوٹی بیوی تھی۔ بعد میں عورتوں میں یہ سلسلہ چلا کہ کان میں سوراخ کرواتی ہیں اور وہاں پر بالی پہنتی ہیں اور ناک میں سوراخ کرواکے نتھنی پہنتی ہیں۔

ناک میں سوراخ کرکے نتھ (کانٹا) پہننا جائز ہے

آپ کو سن کر کچھ تعجب بھی ہوا ہوگا۔

فتاویٰ محمودیہ میں میرے پیرومرشد حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ لکھا ہے کہ: جس طرح کان میں سوراخ کروانا جائز ہے، کان میں زیور پہننا جائز ہے، اسی طرح ناک میں بھی سوراخ کروانا جائز ہے، اس میں بھی نتھ وغیرہ پہن سکتے ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش حبرون میں

حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ''حبرون'' شہر میں رہتے رہتے بچہ پیدا ہوگیا اور اس بچے کا نام ''اسماعیل'' رکھا گیا، یہ پیدائش ملکِ شام میں حبرون-جس کو ''مدینۃ الخلیل'' کہا جاتا ہے اس- میں ہوئی۔

ان مبارک ہستیوں کی قبروں پر حاضری کی سعادت

الحمد للہ! اس شہر میں بندے کو حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے، وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت سارہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی طرف منسوب مزارات ہیں جس کی تفصیلات آپ بندے کی کتاب ''دیکھی ہوئی دنیا، جلد: دوم'' (زیرِ طبع) میں پڑھو گے۔

بڑی عمر میں بچہ پیدا ہونا کوئی بری بات نہیں ہے

میری دینی بہنو! یہاں ایک بات سوچنے کی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں یہ بیٹا پیدا ہوا تو اس وقت ان کی عمر پچاسی (۸۵) سے زیادہ تھی، بعض

روایتوں کے مطابق ننانوے (۹۹) سال کی عمر تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ بڑی عمر میں اولاد کا ہونا کوئی بری بات نہیں ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کے نبی کا طریقہ ہے۔

اگر کسی مرد اور کسی عورت کو بڑی عمر میں اولاد ہو تو اس کی وجہ سے طعنہ نہیں مارنا چاہیے، طعنہ مارنے والے گنہگار ہوں گے، یہ نبی کی سنت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑی عمر میں اللہ تعالیٰ نے اولاد عطا فرمائی۔

افریقہ میں موزامبیق کے مپوٹو شہر میں ہمارے ایک مخلص دوست حاجی نورانی صاحب نے پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد جب بڑی عمر میں دوسرا نکاح کیا اور ان سے اولاد ہوئی تو ہمارے علاقے کے مزاج کے اعتبار سے لوگوں نے کچھ ناپسندیدگی کے انداز میں بات کی تو حاجی صاحب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام والا واقعہ سنا کر ان اعتراض کرنے والوں کو خاموش کیا۔

اسماعیل نام رکھنے کی وجہ اور اس کا معنیٰ

اللہ تعالیٰ کے فرشتے نے خود بتلایا تھا کہ تمھارے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا اس کا نام اسماعیل رکھنا۔

اسماعیل یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی اردو میں ہوتا ہے ”اے اللہ! میری دعا سن لیجیے“ چوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اولاد کے لیے دعا مانگتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سن لی اور ان کے گھر میں اولاد عطا فرمائی، اس نسبت سے اس بیٹے کا نام اسماعیل رکھا گیا۔

بُراق کیا ہے؟

جب یہ بچہ پیدا ہو گیا اور اسی زمانے میں خدا کا حکم بھی آ گیا تو ایک دن حضرت جبرئیلِ امین علیہ السلام براق لے کر آئے۔

براق جنت کا ایک جانور ہے، یہ گھوڑے سے تھوڑا چھوٹا اور گدھے سے تھوڑا بڑا ہوتا ہے، گھوڑے اور گدھے کی بیچ کی سائز کا یہ جانور ہوتا ہے، یہ جنتی جانور ہے۔

حبرون سے وادیٔ غیر ذی زرع کی طرف روانگی

حضرت جبرئیل علیہ السلام براق لے کر آئے اور کہا کہ: اے ابراہیم! بیٹھ جاؤ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹھ گئے، اپنی بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو بٹھایا اور اپنے دودھ پیتے بچے اسماعیل علیہ السلام کو بٹھایا۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو اس وقت کچھ پتہ نہیں تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے، مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟ کیوں لے جا رہے ہیں؟

پرانی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حبرون میں رکھا۔

وہ براق فلسطین کے حبرون سے روانہ ہوا، حضرت جبرئیل علیہ السلام براق کی رسی ہاتھ میں پکڑ کر چلتے تھے، راستے میں چلتے چلتے کوئی شہر آتا، کوئی آبادی، کوئی بستی آتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سوال کرتے تھے کہ: ہم کو یہاں اترنا ہے؟ یہاں رہنا ہے؟

حضرت جبرئیل علیہ السلام فرماتے کہ: نہیں، آگے چلو، آپ کی منزل تو اور آگے ہے، آپ کو اور آگے جانا ہے۔

وادیٔ غیر ذی زرع

یہاں تک کہ چلتے چلتے آج جہاں مکہ مکرمہ ہے وہاں پر پہنچ گئے۔

اس زمانے میں مکہ شہر نہیں تھا، جنگل تھا، کانٹے تھے، کانٹے دار جھاڑیاں تھیں، ببول - جس کو گجراتی میں (باور) کہتے ہیں، کانٹے - کے درخت تھے اور وہاں کعبہ بھی نہیں تھا، مکہ شہر بھی نہیں تھا، دور دور تک چٹیل میدان تھا، وہاں جا کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے براق کو اتارا اور روک دیا۔

وہاں ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا، اس ٹیلے کی مٹی میں ریت کے اندر کعبہ شریف کے پائے تھے اور بہت دور عمالین نام کی قوم کے کچھ لوگ رہتے تھے، باقی خاص مکہ میں کوئی انسان نہیں تھا، جنگل، جھاڑی، کانٹے سب یہی چیزیں تھیں، اس جنگل میں دور دور تک انسان کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی، میلوں تک سبز گھاس کا نام ونشان تک نہیں تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبرئیلِ امین سے پوچھا کہ: یہی ہماری منزل ہے؟

جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ہاں! یہی آپ کی منزل ہے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جنگل میں سے کچھ گھاس، پتے، لکڑیاں جمع کر کے ایک چھپر بنایا۔ جیسے ہم لوگ غریبوں کے گھر دیکھتے ہیں اور چھپر میں اپنی جوان بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور دودھ پیتے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو رکھا۔

مصر کی شہزادی سنسان جنگل کے ایک چھپر میں

میری دینی بہنو! جیسا آپ سن چکیں کہ ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا تو شہزادی تھی،

مصر کے بادشاہ کی لڑکی تھی؛ لیکن ان کے شوہر، اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو ایک گھاس اور پتوں کے چھپر میں رکھا۔

ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا خوشی خوشی وہاں رہنے کے لیے تیار ہوگئی، یہ نہیں سوچا کہ میں بادشاہ کی بیٹی ہوں، میں شہزادی ہوں؛ بلکہ اپنے شوہر، اللہ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جہاں رکھا وہیں پر رہنے کے لیے وہ راضی ہوگئی۔

ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا اس چھپر میں رہنے لگی، ان کے پاس ایک تھیلی میں کھجوریں تھیں اور ایک مٹکے جیسا مشکیزہ تھا اس میں پانی تھا، ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا اس میں سے کھاتی اور اپنے چھوٹے بیٹے اسماعیل کو دودھ پلاتی رہتی۔

جدائی کا غمناک منظر

تھوڑا وقت گذرا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو وہاں سے چلنے لگے۔

کیا منظر ہوا ہوگا؟

ایک جنگل جہاں کوئی انسان نہیں، کوئی مکان نہیں، کھانے پینے کا سامان نہیں، ایسے جنگل میں جوان بیوی اور دودھ پیتے بچے کو رکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام چلنے لگے۔

ہمیں کس کے حوالے چھوڑ کر جا رہے ہو؟

ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا پیچھے چلی اور پیچھے جا کر کہتی ہے کہ: اے اللہ کے نبی! یہاں جنگل میں ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟

یہاں کوئی ساتھ دینے والا نہیں، کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش، کچھ نہیں بولتے، چپ چاپ چلتے رہے۔

ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سوال دوہرایا کہ: اے اللہ کے نبی! یہاں جنگل میں کس کے بھروسے پر ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہو؟

کیا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہیں دیا، چلنے لگے، ایک بار، دو بار، تین بار سوال کیا، کوئی جواب نہیں دیتے تو - چوں کہ وہ شہزادی تھی، ہوشیار تھی؛ اس لیے - خود سامنے سے سوال کرتی ہے کہ: اے اللہ کے نبی! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنگل میں چھوڑ کر جانے کا حکم دیا ہے؟

وہ جانتی تھی کہ اللہ کے نبی مجھ پر ظلم نہیں کر سکتے؛ اس لیے خود سوال کیا۔

تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

ہاں! میرے اللہ کا حکم ہے کہ تم کو جنگل میں چھوڑ کر چلا جاؤں۔

عجیب جواب: تب تو وہ اللہ تعالیٰ ہم کو ضائع نہیں کریں گے

میری دینی بہنو! جب اپنے شوہر کی زبان سے یہ جواب سنا تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے عجیب جواب دیا۔

اللہ تعالیٰ پوری دنیا کی ہماری مسلمان بہنوں کو اور ہمارے مسلمان بھائیوں کو ایسا پاکیزہ جذبہ عطا فرمائے، آمین۔

ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے، ایک عورت ذات نے کتنا پیارا جواب دیا!
فرمایا کہ: اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو آپ شوق سے، خوشی خوشی چلے جایئے، جس اللہ نے حکم دیا ہے وہ اللہ پاک ہم کو برباد نہیں ہونے دیں گے، ہمیں ضائع نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنے سے کبھی کوئی برباد نہیں ہوتا

ایک عورت یہ سمجھ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنے سے کبھی کوئی ضائع اور برباد نہیں ہوتا۔

میری دینی بہنو! اللہ امتِ محمدیہ کے ہر مسلمان مرد اور عورت کو یہ بات سمجھا دے کہ خدا کا حکم پورا کرنے سے کبھی کوئی ضائع اور برباد نہیں ہوتا ہے اور خود حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے کسی چیز کو زیادہ پیاری نہیں سمجھتے تھے، بس اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس کو پورا کرو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ اپنی پرانی بیوی سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس فلسطین جانے کے لیے روانہ ہوگئے، ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا چھپر میں آکر بیٹھ گئی، معصوم بچہ گود میں ہے، اس کو دودھ پلاتی ہے۔

ثنیہ نامی جگہ پر بیوی بچے کی یاد کا ستانا

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام آگے چلے اور مکہ میں ایک جگہ ہے جس کا نام ''ثنیہ'' ہے۔

یہ ثنیہ جگہ پہلے مروہ پہاڑ کے بازو میں تھی، الحمد للہ! پہلے میں نے وہ جگہ دیکھی

ہے، اب تو وہ سب جگہیں توڑ پھوڑ کر کے ختم کر دی گئی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب چلتے چلتے وہاں پہنچے تو بیوی اور بچے کی یاد نے ستایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے رہ گئے اور کھڑے ہو کر- جہاں سے بیوی اور بچہ نظر نہیں آ رہے تھے وہاں کھڑے کھڑے- اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا مانگی۔

ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا بھی دور تک دیکھتی رہی تھی؛ لیکن جب راستہ بدل گیا، شوہر نظر آنا بند ہو گئے تو بیوی آ کر بیٹھ گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہترین اور عجیب دعا

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی شاید دیکھ رہے ہوں گے؛ لیکن جب نظر آنا بند ہو گیا، راستہ بہت دور ہو گیا تو کھڑے ہو گئے اور دعا کی کہ:

مولا! میں تو چھوڑ کر آ گیا ہوں؛ لیکن اب آپ حفاظت کرنا، اے اللہ! بیوی اور بچے کو آپ کے حوالے کرتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی طرف منہ کیا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، وہ دعا دو جگہ پر قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نقل فرمائی ہے، ایک سورۂ بقرہ میں:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ،قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ. (البقرة:١٢٦)

ترجمہ: اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کیا؛ اے میرے رب! آپ اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دیجیے اور اس (مکہ)

کے رہنے والوں میں سے (بھی) جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لاوے ان کو (قسم قسم کے) پھلوں سے رزق (کھانے کے لیے) عطا فرمایئے، (اللہ تعالیٰ نے دعا کے جواب میں) ارشاد فرمایا: جس نے کفر کیا اس کو بھی میں تھوڑی مدت کے لیے فائدہ اٹھانے کا موقع دوں گا، پھر میں اس (کافر) کو (زبردستی) دوزخ کے عذاب کی طرف (کھینچ کر) لے جاؤں گا اور وہ (جہنم) رہنے کی بہت بری جگہ ہے۔

یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مانگی، اس دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت ضروری اور بہت اہم چیزیں مانگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ عرض کر رہے تھے:

اے اللہ! اس جنگل بیابان میں اب میری بیوی اور میری اولاد کو سنبھالنے والا کوئی نہیں ہے، بس ایک آپ کی ذات ہے، اے اللہ! میں اپنی بیوی اور بچے کو آپ کے حوالے کرتا ہوں، آپ میری بیوی اور بچے کی حفاظت فرمایئے۔

بہت اہم اور بہت ہی پیاری اور بہت ہی پاکیزہ دعا ہے، اس دعا کی ایک ایک بات میں آپ کو سمجھاتا ہوں۔

اور اس سے یہ بھی نصیحت ملی کہ دنیوی اسباب سے زیادہ اسباب بنانے والے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنی چاہیے۔

بیوی بچوں کے ساتھ محبت یہ فطری چیز ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو دعا مانگی، یہ دعا ہم کو سکھا رہی ہے کہ اولاد اور بیوی بچے پر شفقت کرنا اور ان سے محبت کرنا یہ انسان کا فطری اور

طبعی تقاضا ہے، جو آدمی اپنی بیوی اور بچوں سے محبت نہ کرے وہ انسان کہلانے کے قابل نہیں ہے، وہ جانوروں جیسا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے کہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ محبت اور شفقت کا برتاؤ کرو۔

دعا میں دین و دنیا دونوں کی بھلائی کا سوال

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا مانگی اس میں اپنی اولاد کے لیے، اپنی بیوی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دین بھی مانگا اور دنیا بھی مانگی، دونوں چیزیں مانگی۔

دوسری جگہ سورۂ ابراہیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اس طریقے پر ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ أَنْ نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ،رَبِّ اِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ،رَبَّنَا اِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ،رَبَّنَا لِيُقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ. (الابراهيم:۳۷.۳۶.۳۵)

ترجمہ: اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: اے میرے رب! آپ اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دیجیے اور مجھ کو اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچا کر کے رکھنا۔

اے میرے رب! ان (بتوں) نے تو بہت سارے لوگوں کو گمراہ کر کے رکھ دیا ہے (یعنی بت گمراہی کا سبب بنے ہیں) سو جو آدمی میرے (توحید کے) راستے پر چلے وہ میرا ہے (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید والی جماعت میں شامل ہونے کا دعوٰی

کرسکتا ہے)اور جس آدمی نے میرا کہنا نہیں مانا(اس کا معاملہ آپ پر چھوڑتا ہوں کہ ہدایت دے کر آپ اس کو معاف کر دے اس لیے کہ)یقیناً آپ ہی تو بہت بڑے معاف کرنے والے اور بہت زیادہ رحم والے ہیں (اس دعا میں ایمان والوں کے لیے سفارش بھی ہے)۔

اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض (ایک)اولاد کو آپ کے محترم گھر (کعبہ) کے پاس ایک ایسی وادی (میدان) میں- جہاں کسی قسم کی کوئی کھیتی نہیں ہے- لاکر کے بسایا ہے(یہ بسانے کا کام اس لیے کیا) اے ہمارے رب! تا کہ یہ نماز قائم کریں، لہذا بعض لوگوں کے دلوں میں ان کی طرف کشش پیدا کر دیجیے۔

(اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا میں ''بعض'' کی قید نہ لگاتے تو ساری دنیا آ کر مکہ میں آباد ہو جاتی اور مکہ تنگ پڑ جاتا)

اوران کو پھلوں کا رزق عطا فرمایئے کہ وہ لوگ شکر کرنے والے بن جائیں۔

(حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بتلاتی ہے کہ اولاد کے لیے معاشی ضروریات وراحت کا انتظام حسبِ طاقت باپ کے ذمے ہے)

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنے والے الفاظ

میری دینی بہنو! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جتنی بھی دعائیں قرآن میں آئی ہیں وہ لفظ ''رب'' سے شروع ہوتی ہیں:

ربنا، ربنا، ربی۔

اس سے ہمیں یہ ایک بات سیکھنے کو ملی کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کریں تو: اے میرے رب! اے میرے رب! اے میرے رب! اے میرے رب!

اے میرے اللہ! اے میرے اللہ!

بار بار بولیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کریں، یہ اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کو متوجہ کرنے والے الفاظ ہیں۔

سورۃ البقرۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو دعا ہے وہ اس زمانے کی ہے جب مکہ جنگل تھا اور سورۂ ابراہیم میں جو دعا ہے وہ اس زمانے کی ہے جب مکہ شہر بن گیا تھا؛ اس لیے دونوں دعاؤں کے الفاظ میں تھوڑا سا فرق ہوا ہے۔

جنگل کو شہر بنا دیجیے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کہا:

اے اللہ! ابھی تو یہ مکہ جنگل ہے؛ لیکن اس مکہ کو آپ شہر بنا دیجیے؛ تاکہ وہاں میری بیوی اور بچوں کو گھبراہٹ نہ ہو اور ان کی تمام ضروریات آسانی سے پوری ہوسکیں۔

شہر کو امن والا بنا دیجیے

اور دوسری دعا مانگی:

اے اللہ! اس مکہ کو امن اور اطمینان والا شہر بنا دینا۔ یہ دعا بھی پوری ہوئی اور آج تک کعبہ کا کوئی مخالف مکہ شہر پر غالب نہ آسکا۔

ہاتھی والوں نے مکہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی، اللہ تعالیٰ نے تمام ہاتھی والوں

کو برباد کر دیا، ختم کر دیا جو سورۂ فیل میں قصہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں اللہ تعالیٰ سے یہ بھی کہا:

اے اللہ! اس کو امن والا حرم بنا دیجیے، یہاں قتل نہ ہو، لڑائی جھگڑا نہ ہو، جانوروں کو بھی امن و اطمینان ملے اور ہری ہری گھاس اور درختوں کو بھی امن ملے۔

اسی لیے حرم میں جا کر ہم جانوروں کا شکار نہیں کر سکتے، ہرے ہرے پتے نہیں توڑ سکتے، یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت ہے۔

پھلوں کا رزق عطا ہونے کی دعا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے کہا کہ:

اے اللہ! میری بیوی اور بچوں کو پھلوں کا رزق عطا فرمائیے، فروٹ اور میوے کھلائیے۔

ملکِ شام کا ایک شہر مکہ میں

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اس طرح قبول فرمائی کہ پورا ملکِ شام – جو بہت برکت والا ہے، وہاں پھل بھی بہت ہوتے ہیں، پانی بھی بہت ہوتا ہے، کھیتی بھی بہت ہوتی ہے وہاں – سے ایک پورا شہر اٹھا کر کے مکہ کے پاس اللہ تعالیٰ نے پہنچا دیا، اسی کا نام طائف ہے۔

طائف کا مطلب

طائف کا مطلب: طواف کرنے والا۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ملکِ شام سے ایک شہر اٹھایا اور کعبہ کا طواف کروایا اور طواف کروا کے مکہ کے پاس لاکر رکھ دیا؛ اس لیے اس کو طائف کہا جاتا ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ عرب کے صحرا میں طائف ایک ایسا شہر ہے جس کی زمین اور آب و ہوا بالکل ملکِ شام کی طرح ہے۔

طائف کی کچھ یادیں

طائف میں مفسرِ امت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما آرام فرما رہے ہیں اور طائف میں وہ یادگار مقامات بھی ہیں جہاں حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باغ میں تھوڑی دیر آرام فرمایا تھا، لہولہان قدم کے ساتھ جس پتھر پر بیٹھ کر دعا کی تھی اور عداس رضی اللہ عنہ نے جہاں انگور کا خوشہ پیش کیا تھا، یہ سب یادگاریں موجود ہیں۔

اور طائف سے ہوتے ہوئے قبیلۂ بنی سعد کے علاقے میں بھی جاتے ہیں جہاں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا رہتی تھیں، جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بچپن میں قیام فرمایا تھا۔

الحمدللہ! ان تمام مقامات کی زیارت نصیب ہوئی ہے، ان شاء اللہ کبھی اس کی تفصیلات عرض کروں گا۔

طائف میں پھل فروٹ بہت ہوتے ہیں اور آج بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے پوری دنیا کے اعلیٰ قسم (Qualety) کے پھل فروٹ ماشاءاللہ مکۂ مکرمہ میں آتے ہیں۔

مکہ میں آج بھی کھیتی نہیں ہوتی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں یہ نہیں کہا کہ: اے اللہ! مکہ میں کھیتی ہو؛ اس لیے کہ مکہ میں کھیتی ہوگی تو کہیں میری اولاد کھیتی میں لگ کر دین نہ چھوڑ دیں، دنیادار نہ بن جائیں، اسی لیے مکہ کو کھیتی کی جگہ نہیں بنایا؛ بلکہ دعا کی کہ پھل ملے۔

اسی لیے آج بھی مکہ میں کھیتی نہیں ہوتی ہے، مدینہ میں کھیتی ہوتی ہے اور مکہ میں تو اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے دنیا بھر کے پھل فروٹ پہنچاتے ہیں۔

ایک خاص اور اہم دعا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں ایک خاص بات یہ بھی کہی کہ:

اے اللہ! میں نے میری جوان بیوی اور دودھ پیتے بچے کو اس جنگل میں اس لیے چھوڑا ہے تاکہ کعبہ کی حفاظت ہو اور نماز کا ماحول قائم ہو جائے، فرمایا:

ربنالیقیموا الصلوۃ: تاکہ نماز کا ماحول قائم ہو جائے۔

اور ساتھ میں یہ دعا مانگی:

رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ.

(البقرۃ:۱۲۸)

ترجمہ: اے ہمارے رب! آپ ہم کو آپ کا پورا فرماں بردار بنا دیجیے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت (امت) پیدا کر دیجیے جو آپ کی پوری فرماں

بردار ہو۔

اس دعا میں اسلام پر بقا، استقامت اور ترقی کی دعا بھی شامل ہے، ایک جلیل القدر نبی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا اپنی ذات کے لیے اور اپنی اولاد کے لیے مانگے تو دوسروں کو بھی اس دعا کا خاص اہتمام کرنا چاہیے، خصوصاً اس دور میں ہر ایمان والا ہمیشہ اس دعا کے مانگنے کا اہتمام کرے۔

یہ دعا مانگ کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے گئے۔

توشے کا ختم ہونا اور دودھ کا سوکھ جانا

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا دونوں وہاں رہ رہے ہیں، جو پانی تھا وہ ختم ہو گیا اور جو کھجوریں تھیں وہ بھی ختم ہو گئیں۔

اس تنہائی میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا برابر اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتی تھیں، یہ بھی ہماری دینی بہنوں کے سمجھنے کی بات ہے کہ تنہائی میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول تھیں، ذرہ برابر بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں رہتی تھیں اور آج کل اگر تنہائی میں وقت ملتا ہے تو ہم موبائل، انٹرنیٹ پر اپنا وقت ضائع کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو وقت کی قدر نصیب فرمائے، آمین۔

خیر! تو ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا اپنے بچے کو دودھ پلاتی؛ لیکن آہستہ آہستہ ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو بھی بھوک لگی، پیاس لگی، اتنی بھوک اور پیاس لگی کہ ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا دودھ اترنا بند ہو گیا اور جب دودھ نہیں آتا تو بچے کو بھی بھوک لگی اور معصوم بچہ زمین پر تڑپ رہا ہے، بے چین ہے، ایسی حالت ہو گئی کہ ابھی مر جائے گا۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بے چینی

ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا دور، دور نظر دوڑاتی کہ کوئی انسان نظر آئے تو اس کے پاس کھانا، پانی مانگوں؛ لیکن دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آتا تو ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے سوچا کہ سامنے "صفا" پہاڑ ہے اس پر جاؤں، پہاڑ پر چڑھ کر کے دور دور تک دیکھوں، کوئی انسان نظر آجائے تو اس سے کچھ معلومات حاصل ہو اور کھانے پینے کا کوئی ذریعہ ہو جائے۔

کبھی صفا پر کبھی مروہ پر

ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کبھی صفا پہاڑ تو کبھی مروہ پہاڑ پر چڑھی، دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آیا، پہاڑ پر جاتی پھر بچہ یاد آتا تو نیچے اتر کر بچے کو دیکھنے آتی کہ میرے بچے کا کیا حال ہے؟ دیکھتی کہ بچہ تڑپ رہا ہے، پھر جاتی، پھر بچہ یاد آتا تو بھاگ کر واپس آتی، بس اس طرح سات مرتبہ چکر پورے ہوئے اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا امتحان بھی پورا ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے ماں کا دل عجیب بنایا ہے

دینی بہنو! ایک ماں کے لیے اپنی ذات سے زیادہ پیاری بچے کی زندگی ہوتی ہے، ماں کا دل اللہ تعالیٰ نے عجیب بنایا ہے کہ ماں اپنی بھوک برداشت کر لیتی ہے؛ لیکن بچے کی بھوک ماں سے نہیں دیکھی جاتی۔

ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو اپنی بھوک سے زیادہ اپنے معصوم بچے کی بھوک کی فکر تھی، بے چین ہو کر تڑپ رہی ہے، دوڑ رہی ہے۔

حج وعمرہ میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نقل

ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے جیسے چکر لگائے بعینہ یہی طریقہ صفا ومروہ کے چکر میں ہوتا ہے، عمرہ میں اور حج میں سات چکر لگاتے ہیں۔ جب صفا یا مروہ سے اتر کر نیچے آتے ہیں تو کعبہ کی طرف منہ کر کے دیکھنا بھی مستحب ہے۔

اب تو وہاں ایسی ایسی عمارتیں بن گئیں کہ کعبہ کم نظر آتا ہے، ورنہ مستحب یہی ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد اور زمزم کے چشمہ کا جاری ہونا

چنانچہ جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا مروہ پہاڑ پر تھی تو انھوں نے ایک آواز سنی کہ کوئی انسان بول رہا ہے؛ لیکن کوئی نظر نہیں آتا کہ کون ہے۔

تو ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا چپ ہوگئی اور دھیان سے سننے لگی، پھر آواز آئی؛ لیکن نظر نہیں آرہا تھا۔ ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے زور سے کہا کہ:

اے بولنے والے! تو کون ہے؟ اگر تیرے پاس مدد کا کچھ سامان ہے تو میری مدد کر، مجھے ضرورت ہے، میں پریشان ہوں۔

تھوڑی دیر میں دیکھا تو ایک فرشتہ سامنے کھڑا ہے، یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی لگائی اور اپنا بازو لگایا تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے وہاں پر پانی جاری کر دیا۔

زم زم (یعنی رک جا)

جب یہ پانی نکلا تو ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا خوش ہوگئی اور پانی کو ہاتھ میں لیا اور

اپنے مٹکے میں بھرنے لگی، خود پینے لگی؛ لیکن پانی بہت زور سے آرہا تھا تو جلدی جلدی ریت، مٹی اور پتھر سے چہار دیواری کا احاطہ کرنے لگی کہ یہ پانی بہہ نہ جائے اور کہنے لگی:

زم زم، رک جا، رک جا، ایک جگہ ٹھہر جا۔

اے کاش کہ!

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:-یہ بخاری شریف کی حدیث میں آپ کو سنا رہا ہوں- کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ اسماعیل علیہ السلام کی ماں یعنی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی اماں) پر رحم فرمائے! اگر ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا زمزم کو نہ روکتی تو زمزم بہتا ہوا ایک پانی کا چشمہ ہو جاتا، پانی کی ندی بن جاتی۔ (بخاری: ٣٣٦٤)

اللہ اکبر!

ایک عورت ذات کی قربانی کی برکت

میری دینی بہنو! یہ زمزم ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی قربانی کی برکت ہے، قیامت تک آنے والے انسان جو زمزم کا پانی جو پی رہے ہیں اور پئیں گے یہ ایک عورت ذات کی قربانی ہے، ایک جوان عورت اپنے دودھ پیتے بچے کو لے کر جنگل میں رہی، اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے زمزم کا پانی انسانوں کو عطا فرمایا۔

جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ہاجرہ! گھبراؤ مت، اللہ تعالیٰ تمھیں برباد نہیں کریں گے، یہاں خدا کا گھر کعبہ ہے، یہ جو تمھارا چھوٹا بچہ ہے وہ اور اس کے ابا ابراہیم علیہ السلام

دونوں مل کر کے خدا کا گھر کعبہ بنائیں گے اور یہاں خدا کا گھر آباد ہوگا، شہر بن جائے گا۔

زمزم کے پانی کی برکتیں

چنانچہ زمزم کے پانی کی برکت سے ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو دودھ اترنا شروع ہوگیا، ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا تو کام بن گیا، پانی پیتی اور اپنے بچے کو دودھ پلاتی۔

اور اللہ تعالیٰ نے زمزم میں یہ طاقت رکھی ہے کہ جس نیت سے پیو اللہ تعالیٰ وہ نیت پوری فرماتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے:

ماء زمزم لماشرب له۔(ابن ماجه: ۳۰۶۲، عن جابر رضی اللہ عنہ)

زمزم کا پانی جس نیت سے پیو اللہ تعالیٰ اس نیت کو پوری فرمائیں گے۔

کسی کو بھوک لگی ہو وہ زمزم پیے اللہ تعالیٰ بھوک دور فرمائیں گے۔

بیمار یقین کے ساتھ پیے تو اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائیں گے۔

زمزم کی برکت سے شفا

متعدد حضرات نے زمزم کو شفا کے لیے بھی استعمال کیا اور بہت سوں کو فائدہ بھی ہوا، ضرورت ہے یقین کی۔

میرے بڑے بھائی صاحب کو ہاتھ میں ہتھیلی کے پیچھے چمڑی پر ایک خاص قسم کا مرض ہوتا تھا جس میں بڑے پریشان رہتے تھے، بہت علاج معالجے ہوئے، چمڑی کے ماہر ڈاکٹروں سے بھی علاج کا سلسلہ رہا؛ لیکن خاطر خواہ افاقہ نہیں ہوتا تھا، بس عارضی

طور پر کچھ فائدہ ہو جاتا، جب حج کا سفر ہوا تو کئی روز تک خاکِ مکہ اور زمزم دونوں کو ملا کر اس کو ہاتھ پر لگایا، الحمد للہ! زمزم اور خاکِ مکہ کی برکت سے وہ مرض بالکل ہی ختم ہو گیا۔

اور دنیا کے بڑے بڑے ڈاکٹر اس پانی کی مختلف لیبارٹری میں جانچ کر چکے ہیں، وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ:

اس وقت دنیا میں سب سے عمدہ پانی ''زمزم'' ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کی قدر نصیب فرمائے، آمین۔

آگے والا قصہ ان شاء اللہ آئندہ مجلس میں سنائیں گے درود شریف پڑھ لو دعا کر لیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی

کا واقعہ

(دوسری قسط)

اقتباس

ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا ایک ماں، اس کا ایک ہی بچہ، جس کو جنگل میں اکیلے رہ کر کے بڑی قربانیوں سے پالا، اس ماں کو بچے سے کتنی محبت ہوگی؟

لیکن اس ماں نے جواب دیا کہ: اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو ضرور میرے بیٹے کو ذبح کرے، مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔

شیطان یہ سوچتا تھا کہ ہاجرہ روئے گی، چلاّئے گی، جنگل کی طرف اپنے بیٹے کو بچانے دوڑے گی؛ لیکن جب اس نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب سنا تو وہ ناامید ہوگیا۔

آج ہمیں اپنے بچوں کو چالیس دن، چار مہینے جماعت میں بھیجنا بھاری پڑتا ہے، سات سال، پانچ سال عالم اور حافظ بننے کے لیے مدرسے میں بھیجنا بھاری پڑتا ہے اور وہ ماں تھی جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے بیٹے کے کٹوانے کو خوشی خوشی تیار ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم اپنے بچوں کو دین کے لیے، حافظ اور عالم بننے کے لیے مدرسوں میں بھیجیں، یہ بچے جماعت میں جائیں گے، حافظ بنیں گے، عالم بنیں گے تو ان شاء اللہ آپ کو آخرت میں کام آئیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ،وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِأَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا،وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِأَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا،وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِأَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا،مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَه، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِىَ لَهٗ،وَأَشْهَدُ أَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ،وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَ شَفِيْعَنَاوَحَبِيْبَنَا وَاِمَامَنَاوَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ،صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ وَ أَهْلِ بَيْتِهٖ وَأَهْلِ طَاعَتِهٖ، وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً كَثِيْراً. أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

رَبَّنَا اِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ،رَبَّنَا لِيُقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ. (الابراهيم:۳۷)

ترجمہ: اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض (ایک) اولاد کو آپ کے محترم گھر (کعبہ) کے پاس ایک ایسی وادی (میدان) میں - جہاں کسی قسم کی کوئی کھیتی نہیں ہے- لاکر کے بسایا ہے (یہ بسانے کا کام اس لیے کیا) اے ہمارے رب! تا کہ یہ نماز قائم کریں، لہذا بعض لوگوں کے دلوں میں ان کی طرف کشش پیدا کر دیجیے۔

(اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا میں ''بعض'' کی قید نہ لگاتے تو ساری دنیا آ کر مکہ میں آباد ہو جاتی اور مکہ کی وسعت کیسے ہوتی؟)

اوران کو پھلوں کا رزق عطا فرمائیے؛ تاکہ وہ لوگ شکر کرنے والے بن جائیں۔

(حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بتلاتی ہے کہ اولاد کے لیے معاشی ضروریات وراحت کا انتظام حسبِ طاقت باپ کے ذمّے ہے)۔

گذشتہ سے پیوستہ

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی نیک بیوی ماں ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قصہ چل رہا تھا، حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی بیوی کو لے کر مکۂ مکرمہ ہجرت کر گئے، اپنی جوان بیوی اور دودھ پیتے بچے کو ایک جنگل میں لے جا کر کے رکھ دیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتلائے ہوئے مبارک نام

آپ کو کل ایک بات بتلائی گئی تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے کا ''اسماعیل'' نام فرشتے کے بتلانے سے رکھا گیا تھا۔

تو کچھ مبارک نام ایسے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے مبارک نام ہیں، جیسے: اسحاق، یعقوب، یحیٰ، عیسیٰ، احمد۔

یہ سب نام ہیں جو خود اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے ہیں؛ اس لیے ہم کو اپنے بچوں کے، اپنی اولاد کے ایسے نام رکھنے چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت پیارے نام

حدیث میں آتا ہے کہ:

''عبداللہ، عبیداللہ، عبدالرحمٰن، محمد'' یہ سب نام بھی اللہ تعالیٰ کو بہت پیارے ہیں؛ لہٰذا ایسے اچھے اچھے نام ہمیں رکھنے چاہیے۔

باقی قصہ

کل قصہ یہاں تک پہنچا تھا کہ زمزم کا پانی نکل آیا اور ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اس کو احاطے میں کرلیا۔

خانۂ کعبہ کی بنیاد کی حفاظت کا عجیب وغریب خدائی نظام

اس وقت کعبہ ایک ٹیلے کی شکل میں تھا اور اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت کہ بارش ہوتی، پانی آتا، سیلاب آتا تو آس پاس سے بہہ کر کے چلا جاتا اور جس ٹیلے میں کعبہ شریف تھا اس کے اوپر پانی نہیں آتا تھا۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت تھی، اللہ تعالیٰ نے اس طرح کعبہ کی بنیاد کی حفاظت فرمائی تھی۔

ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا یہاں رہنے لگی، اپنے بچے کی پرورش کرتی رہی۔

قبیلۂ جُرہم کی آمد

اتنے میں ایک قبیلہ، ایک خاندان جس کا نام ''جُرہم'' ہے اس کے کچھ لوگ کدی کے راستے سے مکہ آئے۔

یہ کدی ایک محلے کا نام ہے، آج بھی مکہ میں کدی نام کا ایک محلّہ ہے۔

وہ لوگ کدی کے راستے سے مکہ آئے اور مکہ میں جو نشیبی یعنی نیچان والا علاقہ

ہے وہاں اترے، یہ جرہم قبیلہ کے لوگ پہلے بھی بہت سی مرتبہ مکہ آئے تھے؛ لیکن کبھی مکہ کے آس پاس کوئی پرندہ نظر نہیں آیا تھا، اس مرتبہ جو جرہم کے لوگ آئے تو ان کو ایک پرندہ اڑتا ہوا نظر آیا، یہ لوگ آپس میں بات چیت کرنے لگے کہ کبھی یہاں کوئی پرندہ نظر نہیں آتا ہے، اس مرتبہ یہ پرندہ نظر آرہا ہے تو یہاں آس پاس پانی ہونا چاہیے۔

انھوں نے اپنے ایک یا دو آدمی کو ڈھونڈنے کے لیے بھیجا کہ جاؤ اور جا کر جنگل میں آس پاس دیکھو کہ کہیں پر پانی ہے؟

یہ دونوں آدمی ڈھونڈنے کے لیے نکلے، انھوں نے آکر کہ دیکھا کہ ماشاء اللہ زمزم کا پانی ہے اور ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے پاس ہے۔تو ان دو آدمیوں نے جا کر اپنے قبیلے کے دوسرے لوگوں کو خبر کی کہ اب تو یہاں جنگل میں پانی ہے اور کوئی عورت اور بچہ بھی ہے۔

قبیلۂ جرہم کا ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے وہاں رہنے کی اجازت لینا

سب لوگ دیکھنے کے لیے آئے، ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا پانی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، جرہم قبیلے کے لوگوں نے آکر کہا کہ: اگر آپ اجازت دو تو ہم آپ کے پاس یہاں جنگل میں رہنے لگیں اور یہاں اپنا مکان بنالیویں۔

وہ سمجھتے تھے کہ یہ عفت مآب عورت کوئی معمولی نہیں ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی پیاری کوئی مقبول بندی ہے جس کی خاطر ریتیلی زمین میں پانی کا یہ چشمہ جاری ہوا ہے۔

اجازت ہے؛ لیکن پانی پر حق میرا رہے گا

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہاں! تم بھی آکر رہو، تمھارے لیے

اجازت ہے؛ لیکن یہ جو زمزم کا پانی ہے اس پر تمھارا کوئی حق نہیں ہوگا، تم پی سکتے ہو، استعمال کر سکتے ہو؛ لیکن تم اس کے مالک نہیں بنو گے۔

ان لوگوں نے کہا کہ: ہاں! ہم پکا وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی یہ شرط پوری کریں گے اور آپ کا بچہ بڑا ہو کر اگر ہم کو نکالنا چاہے تو ہم فوراً نکل جاویں گے۔

جنگل میں آبادی

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے سوچا کہ یہ لوگ یہاں آ کر رہیں تو جنگل میں کچھ ساتھ دینے والے مل جائیں اور یہ جنگل میں شہر بن جاوے، آبادی ہو جاوے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسی کی دعا مانگی تھی۔

چنانچہ یہ قبیلۂ جرہم کے لوگ گئے اور اپنے پورے قبیلے کو بلا کر یہاں لے آئے اور انھوں نے اپنے چھوٹے چھوٹے مکان بنا لیے، اس کی وجہ سے مکہ شہر بن گیا۔

سب سے پہلے مکہ شہر کی بنیاد رکھنے والے

تو مکہ شہر کی نئی شروعات ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہوئی اور پھر جرہم قبیلے کے لوگ یہاں آ کر رہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا عربی زبان سیکھنا

حضرت اسماعیل علیہ السلام آہستہ آہستہ بڑے ہو گئے، جوان ہو گئے، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جرہم قبیلے کے لوگوں سے عربی زبان سیکھی، ان کی زبان عربی نہیں تھی؛ کیوں کہ وہ تو فلسطین سے آئے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تو عراق کے رہنے

والے تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نکاح

حضرت اسماعیل علیہ السلام بہت خوب صورت بھی تھے تو جیسے جیسے بڑے ہونے لگے تو پورے جرہم قبیلے کے لوگ ان سے محبت کرنے لگے، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام بالغ ہو گئے تو جرہم قبیلے کے لوگوں نے اپنے قبیلے کی ایک لڑکی کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی کروادی۔

ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا انتقال اور ان کی قبر

تھوڑے دنوں میں ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا، ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی قبر کہتے ہیں کہ: جو حطیم والا حصہ ہے اس میں ہے۔

ایک بہت ہی اہم سبق

ابھی آگے والی حدیث بھی بخاری شریف کی حدیث ہے، اس میں ایک بہت اہم سبق ہے، اسی لیے یہ حدیث میں آپ کو سنا رہا ہوں: حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اس دوسری بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے پاس براق پر بیٹھ کر کبھی کبھی تشریف لاتے تھے، پھر چلے جاتے تھے۔

حلال روزی تلاش کرنا یہ انبیا کا طریقہ رہا ہے

بہت دنوں کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آنا ہوا تو پتہ چلا کہ

ان کی بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا تو انتقال ہوگیا ہے اور بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہوگئی ہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وقت گھر میں نہیں تھے، وہ روزی روٹی کے لیے باہر گئے ہوئے تھے؛ چوں کہ اب بیوی ہوگئی؛ لہذا اب خرچ کی فکر ہوئی۔

دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آکر دیکھا کہ گھر میں تو بہو ہے، اس کو سوال کیا کہ:

بیٹی! تمھارا شوہر اسماعیل کہاں گیا؟

اور تمھاری زندگی کیسی چل رہی ہے؟

وہ پہچانتی نہیں تھی کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، میرے خسر، میرے شوہر کے ابا ہیں۔

اس نے کہا کہ: میرے شوہر تو کہیں روزی کی فکر میں گئے ہیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے شکایت کرنے لگی کہ ہم تو بہت بری حالت میں رہتے ہیں، بہت تنگی ہے، کھانے پینے کی بھی بہت تکلیف ہے، بہت فریادیں کیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سب شکایتیں سنتے رہے، سب فریادیں سنتے رہے، پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واپسی کا ارادہ ہوا تو فرمایا کہ: میں جا رہا ہوں، جب تمھارے شوہر گھر پر آوے تو ان کو سلام کہہ دینا اور یوں کہنا کہ: دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالے۔ یہ کہہ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے گئے۔

نبی کی نورانیت اور خوشبو کا احساس

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو انھوں نے محسوس کیا کہ گھر میں کوئی آ کر گیا ہے، حقیقت میں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوشبو تھی؛ چوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور نبی گھر میں آ کر گئے تو نبی کی برکت، نبی کی نورانیت، نبی کی خوشبو ان کو گھر میں محسوس ہوئی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی پہلی بیوی کے درمیان سوال و جواب

اس لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فوراً اپنی بیوی سے پوچھا کہ: کوئی گھر میں آیا تھا؟

بیوی نے جواب دیا کہ: ہاں! ایک بزرگ آئے تھے، ایسی ایسی شکل اور ایسی ایسی صورت تھی، ایسا ان کا جسم تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا کہ: اس بزرگ نے آ کر کچھ پوچھا تھا؟

بیوی نے جواب دیا کہ: تمھارے متعلق پوچھا تھا کہ اسماعیل کہاں ہیں؟

اسماعیل: تم نے کیا جواب دیا تھا؟

بیوی: میں نے کہا کہ وہ تو باہر گئے ہیں۔

اسماعیل: پھر کیا پوچھا؟

بیوی: تمھاری زندگی کیسی گذر رہی ہے؟

اسماعیل: تو نے کیا جواب دیا؟

بیوی: میں نے جواب دیا کہ ہم پر بہت تکلیف ہیں، بہت تنگی ہیں۔

اسماعیل: کوئی پیغام دیا ہے؟

بیوی: انھوں نے مجھے یوں کہا تھا کہ ''اسماعیل کو سلام کہہ دینا'' اور ساتھ میں یوں کہہ دینا کہ ''دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالے''۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اپنی بیوی کو طلاق دینا

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ: وہ آنے والے بزرگ کوئی اور نہیں تھے، وہ میرے ابا جان، اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور انھوں نے مجھے جو یہ ''چوکھٹ بدلنے کا'' حکم دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تجھ کو طلاق دے دوں؛ لہذا اب تجھ کو طلاق ہے، تو اپنے گھر پر چلی جا، مجھے اب تیرے ساتھ نہیں رہنا ہے۔

ناشکری کی وجہ سے طلاق

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بہو کو طلاق دینے کے لیے کہہ کر کے گئے؛ اس لیے کہ اس کی زبان پر ناشکری آئی تھی، اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری آئی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ چیز پسند نہ آئی کہ ایک نبی کے گھر میں رہتے ہوئے کوئی عورت ناشکری کرے۔ ایسے تو ناشکری کوئی بھی کرے اچھی چیز نہیں ہے۔

ناشکری بڑی خطرناک چیز ہے

میری دینی بہنو! سوچنے کا مقام ہے کہ یہ ناشکری کتنی خطرناک بری عادت

ہے؛ اس لیے کبھی اپنی زبان پر ناشکری مت لاؤ، اللہ تعالیٰ جو نعمت دیوے خدا کا شکر ادا کر کے کھاؤ، خدا کا شکر ادا کر کے پہنو، خدا کا شکر ادا کر کے استعمال کرو۔

آج دنیا میں بہت سارے لوگ کیمپوں میں زندگی گزار رہے ہیں

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت ساری نعمتوں سے نوازا ہے، اس وقت دنیا میں ہزاروں مسلمان بہنیں بے چاری کیمپوں میں زندگی گزار رہی ہیں، ان کے مکان اجاڑ دیے گئے، بہت مصیبت میں وہ زندگی گزار رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم کو بڑی راحت میں رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی نورانیت و برکت

دوسری بات یہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو معلوم بھی نہیں تھا کہ ابا آ کر گئے؛ لیکن ابا جان کے آنے کی خوشبو، نورانیت اور برکت ان کو اپنے گھر میں معلوم ہوئی، لہٰذا انھوں نے فوراً اپنی بیوی سے پوچھا کہ کوئی گھر میں آیا تھا؟

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کوئی اللہ کا نیک بندہ یا بندی کسی جگہ پر ہو اور آ کر چلے بھی جاویں تو اس کی نورانیت، اس کی برکت گھر میں باقی رہتی ہے۔

ہمارا سلسلہ

ہم جو بیعت کرتے ہیں وہ چشتیہ سلسلہ ہے:

میرے پیر حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

ان کے پیر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فضائل اعمال والے۔

ان کے پیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ۔

ان کے پیر قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

ان کے پیر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرِ مکی رحمۃ اللہ علیہ۔

اوران کے پیر حضرت میاں جی نور محمد جھنجانوی رحمۃ اللہ علیہ، یہ ہمارا سلسلہ ہے۔

چھتیس سال تک ایک جگہ بیٹھ کر قرآن سکھانا

حضرت میاں جی نور محمد جھنجانوی رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے اللہ کے ولی تھے کہ وہاں سہارنپور تھانہ بھون کے قریب لوہاری نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، وہاں حضرت میاں جی نور محمد جھنجانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً چھتیس (۳۶) سال ایک جگہ بیٹھ کر بچوں کو قرآن پڑھایا اور وہاں بیٹھ کر کے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا۔

ڈیڑھ سو (۱۵۰) سال گذرنے کے باوجود کمرے میں نورانیت

جس کمرے میں بیٹھ کر کے حضرت ذکر کرتے تھے-ان کے انتقال کے ایک سو پچاس (۱۵۰) سال سے زیادہ زمانہ گذرنے کے باوجود، آج بھی اس کمرے میں قدرتی خوشبو نکلتی ہے۔

میں خود وہاں حضرت کے کمرے میں گیا ہوں اور وہاں بیٹھ کر میں نے ذکر بھی کیا ہے، عجیب قدرتی نورانیت اور خوشبو وہاں محسوس ہوتی ہے۔

تو جہاں بھی کوئی اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ صرف آ کر گذر بھی جاتا ہے وہاں قدرتی طور پر نورانیت کا احساس ہوتا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دوسرا نکاح

خیر! تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس کے بعد اسی قبیلۂ جرہم کی ایک دوسری عورت سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نکاح ہو گیا، نکاح کے بعد دونوں میاں بیوی اطمینان سے رہنے لگے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دوبارہ مکہ آنا

ایک دن پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کی خبر لینے کے لیے آئے تو اس مرتبہ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر میں موجود نہیں تھے اور گھر میں نئی بہو تھی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نئی بیوی کے حسن اخلاق

پہلی بہو نے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم اور مہمان نوازی نہیں کی تھی؛ لیکن اس نئی بہو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ: آپ سواری سے اتریئے، اندر تشریف لایئے اور کھانا تناول فرمالیجیے، یہاں رہیے۔ وہ بھی پہچانتی نہیں تھی کہ یہ ہمارے خسر ہیں؛ لیکن اس نے ایک بزرگ کو دیکھا، نورانی شکل دیکھی تو اس نے خود اکرام کیا۔

شکر گزار عورت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس نئی بہو سے پوچھا کہ: اسماعیل کہاں ہے؟

اس نے کہا کہ: وہ تو روزی روٹی کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ: تمھاری زندگی کیسی گذر رہی ہے؟

تو وہ کہنے لگی کہ: الحمد للہ! بہت اچھی طرح ہماری زندگی گذر رہی ہے، اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

گوشت اور پانی میں برکت کی دعا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ: تم کیا کھاتے ہو؟

اس نے کہا کہ: ہم گوشت کھاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ: کیا پیتے ہو؟

تو کہا: یہی پانی پیتے ہیں، وہاں زمزم کا پانی تھا۔

تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں کھڑے کھڑے دعا کی کہ: اے اللہ! ان کے گوشت اور ان کے پانی میں برکت عطا فرمایئے۔

خسر کو اپنی بہو اور بیٹے کے حالات معلوم کرتے رہنا چاہیے

اس سوال اور جواب سے ایک بات یہ سیکھنے کو ملی کہ خسر کو اپنے بیٹے اور بہو کی خیر خبر لینی چاہیے، ان کی خیر خبر پوچھتے رہنا چاہیے کہ کیسی ان کی زندگی گذر رہی ہے۔ اور ان کے لیے برکت کی دعا بھی کرنی چاہیے۔

مکہ کے کھانے پینے میں برکت کی وجہ

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا پر ارشاد فرمایا کہ: مکہ میں کھانے اور پینے میں کی جو بہتات ہے یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گھر آئے تھے اس وقت ان کے گھر میں اناج نہیں تھا، اگر اس وقت ان کے گھر میں اناج ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس میں بھی برکت کی دعا فرماتے۔(ابن کثیر: ۱/۴۲۹، سورۃ البقرۃ)

روٹی اور چاول کے بغیر صرف گوشت کھا لینا

ایک اور حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: صرف گوشت کھا کر اور پانی پی کر رہنا یہ مکہ والوں کے مزاج کی بات ہے، یعنی یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت ہے۔

باقی دنیا میں کوئی آدمی ایسا کرے کہ صرف گوشت کھائے اور پانی پیوے، ساتھ میں روٹی یا چاول نہ کھاوے تو وہ بیمار ہو جائے گا، یہ صرف مکہ والوں کی خوبی ہے کہ صرف گوشت اور پانی ان کی طبیعت کو موافق آ سکتا ہے۔

دروازے کی چوکھٹ باقی رکھنا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام جانے لگے تو جاتے جاتے کہا کہ: بیٹی! تمھارے شوہر اسماعیل آئے تو ان کو میرا سلام کہہ دینا اور یہ کہنا کہ: اپنے دروازے کی چوکھٹ کو باقی رکھے، یہ بات کہہ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام روانہ ہو گئے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اپنی دوسری بیوی سے سوالات

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر آئے تو اپنی بیوی سے پوچھا کہ: کیا گھر

میں کوئی آیا تھا؟

بیوی نے کہا کہ: ایک بزرگ تشریف لائے تھے، پھر بیوی نے اس بزرگ کی بہت تعریف کی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا کہ: اس آنے والے بزرگ نے میرے متعلق کچھ پوچھا تھا؟

بیوی: پوچھا تھا تو میں نے کہا کہ: وہ تو روزی روٹی ڈھونڈنے گئے ہیں۔

اسماعیل: اور کچھ پوچھا تھا؟

بیوی: ہاں! یوں پوچھا تھا کہ: تمھاری زندگی کیسی چل رہی ہے؟

تو میں نے جواب میں کہا کہ: ہم بہت اچھی حالت میں ہیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ہم بہت خوش ہیں۔

اسماعیل: اس بزرگ نے کوئی وصیت، کوئی نصیحت کی ہے؟

بیوی: ہاں! وہ آپ کو سلام کہہ گئے ہیں اور ساتھ میں یہ حکم دے گئے ہیں کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ باقی رکھنا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ: وہ آنے والے بزرگ میرے ابا جان تھے اور چوکھٹ تو ہے، انھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں تیرے ساتھ رہوں، تجھے طلاق نہ دوں۔

شکر کی وجہ سے طلاق دینے سے منع فرمایا

میری دینی بہنو! دوسری بیوی کو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے طلاق دینے سے منع کیا اور باقی رکھنے کے لیے فرمایا؛ اس لیے کہ اس دوسری بیوی کی زبان پر اللہ تعالیٰ کا

شکر تھا، نعمت کی شکر گزاری تھی۔

شکر گزاری بہت بڑی نعمت ہے

میری دینی بہنو! یہ شکر گزاری کتنی بڑی نعمت ہوگی، آپ اندازہ لگاؤ، یہی دوسری بیوی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ پوری زندگی رہی اور نسل چلتے چلتے آگے اسی نسل سے میرے اور آپ کے آقا، تاجدارِ مدینہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور اسماعیل علیہ السلام ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں اور ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا مصر کے بادشاہ کی بیٹی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے ساتھ دوسری شادی کی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری مرتبہ مکہ کی حاضری

چند دنوں کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر آئے تو دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر ہے اور ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے قریب تیر درست کر رہے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آتے دیکھا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام بہت خوش ہو گئے کہ میرے ابا جان آئے اور کھڑے ہو کر اپنے ابا جان کی ملاقات کی، گلے لگے، باپ بیٹے بڑی محبت سے ملے۔

خانۂ کعبہ کی تعمیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آکر کہا کہ: بیٹا! میں ایک کام لے کر آیا ہوں

اور وہ یہ ہے کہ ہم دونوں باپ بیٹے کو مل کر اللہ تعالیٰ کا گھر کعبہ بنانا ہے، چنانچہ ابا جان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کہنے پر حضرت اسماعیل علیہ السلام تیار ہوگئے اور باپ بیٹے دونوں نے مل کر پورا کعبہ شریف نیا تعمیر فرمایا، تیسرے سفر کے موقع پر یہ کام ہوا ہے۔

نیک کام کر کے فخر اور تکبر نہیں کرنا چاہیے

کعبہ شریف کی تعمیر ہوئی تو اس کی وجہ سے دل میں بڑائی کا خیال آ سکتا تھا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے دین کا بہت بڑا کام کیا؛ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں کچھ بڑائی کا خیال نہیں آیا اور بڑے لوگوں میں بڑائی ان کو متواضع بنا دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے کعبۃ اللہ کی تعمیر اس کے باوجود اس کی قبولیت کی دعا

بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کر رہے ہیں:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّااِنَّکَ أَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ. (البقرة:۱۲۷)

ترجمہ: (اور دونوں حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام دعا کر رہے تھے) اے ہمارے رب! آپ ہم سے (کعبہ کی تعمیر کی خدمت کو) قبول کر لیجیے، یقیناً آپ ہی (ہر ایک کی دعا) سننے والے (اور ہر ایک کی دلی نیت کو) اچھی طرح جاننے والے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی:

اے اللہ! میری نیکیوں کو، میرے اچھے کاموں کو قبول فرما لیجیے:

میں نے تو اپنی جوان بیوی اور دودھ پیتے بچے کو ہجرت کرائی ہے۔

جنگل میں لا کر رکھا۔

کعبہ شریف بنایا۔

میری اِن سب نیکیوں کو قبول فرما لیجیے۔

ہر نیک عمل کی قبولیت کی دعا کرتے رہنا چاہیے

میری دینی بہنو! میں آپ سب کو کہتا ہوں کہ:

ہم نماز پڑھتے ہیں۔

تراویح پڑھتے ہیں۔

تہجد پڑھتے ہیں۔

صدقہ وخیرات کرتے ہیں۔

تسبیح پڑھتے ہیں۔

قرآن پڑھتے ہیں۔

تو ساتھ ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کرو کہ: اے اللہ! ہماری نیکیوں کو قبول فر لیجیے۔

اور اس کے لیے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی یہ دعا بہت پیاری ہے جو قرآن میں آئی کہ:

رَبَّنَا تَقَبَّلُ مِنَّااِنَّكَ أَنُتَ السَّمِيُعُ الُعَلِيُمُ.

اے اللہ! ہماری تمام نیکیوں کو، ہمارے تمام اچھے کاموں کو آپ قبول فرما لیجیے، آپ دعا کو قبول کرنے والے ہیں، آپ ہماری دعاؤں کو سنتے ہیں، ہمارے دل کی نیتوں کو جانتے ہیں۔

ذبح والا واقعہ

ایک مشہور قصہ ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں بھی ایک مرتبہ ہوا تھا، ابھی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام بچے تھے، بڑے نہیں ہوئے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام آتے جاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے اور اپنے بیٹے کو کہا: بیٹا میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔

تو چھوٹے سے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا: ابا جان! اللہ تعالیٰ نے آپ کو مجھے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تو آپ مجھ کو ذبح کر دیجیے، میں صبر کروں گا۔

یہ بات بھی قرآن مین موجود ہے:

فَلَمَّابَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَاتَرٰى، قَالَ يٰأَبَتِ افْعَلْ مَاتُؤْمَرُ، سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِيْنَ. (الصافات:۱۰۲)

ترجمہ: پھر جب وہ لڑکا (یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام) ان (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے ساتھ چلنے پھرنے کے لائق ہوگیا تو انھوں نے (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) کہا: اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں تو تمھاری کیا رائے ہے؟

اس (بیٹے) نے کہا: اے میرے ابا! آپ کو جو حکم دیا جارہا ہے اس کو کر ڈالیے، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

عجیب خواب

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ: اے ابراہیم! اللہ تعالیٰ کے نام پر اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کرو، یہ ذی الحجہ کی آٹھ (۸) تاریخ تھی، صبح سے شام تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں الگ الگ خیالات آتے رہے، کبھی وسوسہ آتا کہ یہ کوئی شیطانی خواب ہے اور کبھی یہ خیال آتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سچا خواب ہے جس پر مجھے عمل کرنا چاہیے، پورا دن شک میں گذر گیا؛ اس لیے آٹھ تاریخ کو ''یَوْمُ التَّرْوِیَةِ'' یعنی شک کا دن کہتے ہیں، یہ ایک وجہ تسمیہ ہے۔

پھر نو (۹) ذی الحجہ کو وہی خواب نظر آیا اور آپ نے پہچان لیا کہ یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؛ اس لیے اس کو ''یَوْمُ الْعَرَفَة'' کا نام دیا جاتا ہے اور کس طرح عمل کرنا ہے اس کی فکر میں یہ پورا دن گذرا۔

پھر دسویں (۱۰) کو یہ خواب تیسری مرتبہ نظر آیا اور اسی روز حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا واقعہ ہوا؛ اس لیے اس کو ''یَوْمُ النَّحْر'' قربانی کا دن کہتے ہیں۔

بڑے کی ملاقات کے لیے

روایتوں میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہیں چاہتے تھے کہ ماں کے سامنے بیٹے کو ذبح، ماں کا دل کیسے برداشت کرے گا؟

لہذا حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس سے ہٹا کر دور کہیں جنگل میں لے جا کر ذبح کا پروگرام بنایا، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ: اپنے بیٹے اسماعیل کو تیار کر دو، میں اس کو کسی بڑے کی ملاقات کے لیے لے جاتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے بڑا کون ہوسکتا ہے؟

دینی بہنو! اللہ تعالیٰ سے بڑا کون ہوسکتا ہے؟

ماں نے جلدی جلدی اپنے بیٹے کو غسل کرایا، نئے کپڑے پہنائے اور ابا جان کے ساتھ بھیج دیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے لے کر چلے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے یہ فرمایا کہ: بیٹا! چھری اور رسّی لے لو، چلو جنگل کی طرف، ظاہر ہے کہ رسی اور چھری لے کر جنگل کی طرف جانا اس لیے ہوتا ہے کہ لکڑی کاٹنے کا ارادہ ہوگا، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے گھر میں سے لمبی رسی اور تیز چھری لے لی اور چل دیے۔

منیٰ میں مسجد الکبش تک لے گئے

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو زندگی میں بار بار مکہ مدینہ لے جاوے، آمین۔

دیکھو! حضرت اسماعیل علیہ السلام جہاں کعبہ ہے وہاں پر رہتے تھے اور کعبہ کے پاس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام لے کر کے چلے اور منیٰ لے گئے۔

منیٰ میں جب ہم داخل ہوتے ہیں تو جہاں شیطان کو تین جگہ کنکر مارتے ہیں وہاں مسجدِ خیف ہے، اس کے قریب ایک دوسری مسجد تھی، وہ مسجد اب ٹوٹ گئی جس کا نام مسجد الکبش تھا۔ ''کبش'' ایک جانور کو کہتے ہیں۔

وہاں تک جنگل میں لے گئے اور وہاں لے جا کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو

ذبح کرنے کی کوشش کی تھی۔

شیطان مردود کا ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو بہکانے کی کوشش کرنا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر چلے گئے تو شیطان مردود گھر پر ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور آ کر کہنے لگا کہ: تمھارا بچہ اسماعیل کہاں ہے؟

ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: وہ تو اپنے ابا کے ساتھ کسی بڑے کی ملاقات کے لیے گیا ہے۔

شیطان مردود ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو کہنے لگا کہ: نہیں! کسی بڑے کی ملاقات کے لیے نہیں گئے ہیں؛ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو تمھارے بیٹے کو کاٹنے کے لیے، ذبح کرنے کے لیے لے گئے ہیں۔

ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا کہنے لگی کہ: کبھی کوئی باپ اپنے بیٹے کو کاٹتا ہے؟

شیطان کہنے لگا کہ: ابراہیم کو ان کے اللہ نے خواب میں بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے؛ اس لیے وہ ذبح کرنے کے لیے لے کر گئے ہیں۔

ماں ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایمان افروز جواب

ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا ایک ماں، اس کا ایک ہی بچہ، جس کو جنگل میں اکیلے رہ کر کے بڑی قربانیوں سے پالا، اس ماں کو بچے سے کتنی محبت ہو گی؟

لیکن اس ماں نے جواب دیا کہ: اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو ضرور میرے بیٹے کو

ذبح کرے، مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔

شیطان یہ سوچتا تھا کہ ہاجرہ روئے گی، چلّائے گی، جنگل کی طرف اپنے بیٹے کو بچانے دوڑے گی؛ لیکن جب اس نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب سنا تو وہ ناامید ہوگیا۔

کیسے جذبے والی وہ مائیں ہوا کرتی تھیں!

آج ہمیں اپنے بچوں کو چالیس دن، چار مہینے جماعت میں بھیجنا بھاری پڑتا ہے، سات سال، پانچ سال عالم اور حافظ بننے کے لیے مدرسے میں بھیجنا بھاری پڑتا ہے اور وہ ماں تھی جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے بیٹے کے کٹوانے کو خوشی خوشی تیار ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم اپنے بچوں کو دین کے لیے، حافظ اور عالم بننے کے لیے مدرسوں میں بھیجیں، یہ بچے جماعت میں جائیں گے، حافظ بنیں گے، عالم بنیں گے تو ان شاء اللہ آپ کو آخرت میں کام آئیں گے۔

شیطان حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس

شیطان حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے مایوس ہو کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس پہنچا، اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے ابا جان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے چل رہے تھے، شیطان نے جا کر کہا کہ: اے لڑکے! کیا تم جانتے ہو کہ تمھارے ابا تم کو کہاں لے کر جا رہے ہیں؟

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ: گھاٹی میں گھر کے ایندھن کی

لکڑی لینے جارہے ہیں۔

شیطان نے کہا کہ: نہیں، خدا کی قسم! تمھارے ابا کا ارادہ لکڑی جمع کرنے کا نہیں ہے؛ بلکہ وہ تو تم کو ذبح کرنا چاہتے ہیں۔

لڑکے نے کہا: کیوں؟

شیطان نے کہا: تمھارے ابا کا خیال ہے کہ ان کے رب نے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ تم کو ذبح کرڈالیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا: اگر ایسا ہے تو ابا جان کو رب کا حکم ضرور ماننا ہی چاہیے۔

شیطان حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے شیطان کی بات نہیں مانی تو شیطان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا:

شیخ! کہاں جارہے ہو؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ایک کام سے سامنے والی گھاٹی میں جارہا ہوں۔

وہ ابلیس بولا: میں جانتا ہوں کہ شیطان نے خواب میں تمھیں بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ شیطان ہے، ارشاد فرمایا: او دشمن! میرے پاس سے ہٹ جا، میں ضرور اپنے رب کا حکم پورا کروں گا۔

شیطان کو بہت غصہ آیا؛ اس لیے کہ اس کی تمام تدابیر ناکام ہو گئیں اور واپس چلا گیا۔

کنکریوں کا مارنا

کہتے ہیں کہ: آج جہاں تین جمرات بنے ہیں، جہاں حج کے وقت میں شیطان کو کنکری مارنے جاتے ہیں، ان ہی جگہوں پر شیطان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے رکاوٹ ڈالنے آیا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان تینوں جگہوں پر شیطان کو سات سات کنکری ماری تھی۔

پھر قصہ بہت بڑا ہے، صرف ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے متعلق جو باتیں ہیں وہ میں آپ سے کہہ دوں، جب جنگل پہنچ گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ارادہ پورے طور پر ظاہر فرمایا، حضرت اسماعیل علیہ السلام فوری طور پر تیار ہو گئے، خود اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

فَلَمَّآ أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ وَنَادَيْنٰهُ أَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا، اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ، اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ، وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ. (الصافات: ۱۰۳ تا ۱۰۷)

ترجمہ: سو جس وقت (اللہ تعالیٰ کا) حکم پورا کرنے کے لیے دونوں (باپ بیٹے) تیار ہو گئے اور انھوں نے (ابراہیم علیہ السلام نے) اپنے بیٹے کو (ذبح کرنے کے لیے) پیشانی کے بل پچھاڑ دیا اور ہم نے ان کو آواز لگائی: اے ابراہیم! (شاباش) تم نے تو خواب پوری طرح سچا کر کے دکھا دیا، ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

یقیناً وہ تو ایک کھلا ہوا امتحان تھا اور ہم نے ایک بڑا جانور ذبح کرنے کے واسطے دے کر اس (بچے) کو بچالیا۔

عظیم باپ کے عظیم بیٹے

جنگل میں جب لے کر چلے گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کی تیاری کی اور زمین پر سلایا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ:

ابا جان! مجھے رسی سے باندھ دو اور چھری تیز کر کے جلدی سے گردن پر چلا دو؛ تاکہ جان کا نکلنا آسان ہو جائے اور اپنے کپڑوں کو سنبھالو، اس کو لپیٹ دو؛ اس لیے کہ میرا خون اڑے گا تو آپ کے کپڑوں پر لگ جائے گا اور خون والے کپڑے جب میری ماں دیکھے گی تو اس کا کیا حال ہوگا؟

اور زمین پر لیٹے لیٹے کہا کہ:

ابا جان! آپ مجھے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ذبح تو کر رہے ہو؛ لیکن آپ جب گھر پر جاؤ تو میری ماں کو میرا سلام کہہ دینا اور میرے بدن کا کرتہ میری ماں کو دے دینا؛ تاکہ یہ کرتہ ماں کے لیے بیٹے کی جدائی پر سکون کا ذریعہ بنے اور کرتہ ان کے پاس یادگار رہے۔

یہ باتیں سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے چہرے پر بوسہ دیا اور فرمایا: بیٹا! الحمدللہ! حق تعالیٰ کا حکم پورا کرنے میں تم میری کیسی مدد کر رہے ہو!!

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری چلا دی؛ لیکن چھری نے کاٹا نہیں، پھر

دو تین بار تیز کرنے پر بھی چھری نے کام نہیں کیا تب بیٹے نے درخواست کی کہ: ابا جان! مجھے منہ کے بل لٹا کر ذبح کیجیے؛ تاکہ آپ مجھے ذبح ہوتے ہوئے نہ دیکھ سکیں اور میری نظر چھری پر نہ پڑے؛ تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے میں رکاوٹ کا ذریعہ نہ بن سکے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور بیٹے کے دوشانے کے درمیان کمر پر بیٹھ گئے اور زور سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھری چلائی؛ لیکن چھری نے گردن کاٹنا تو دور کی بات ان کی چمڑی پر ذرہ برابر نشان بھی نہیں ہونے دیا۔

ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابند ہے

چھری کاٹنے میں، آگ جلانے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی محتاج ہے، دنیا یہ سمجھتی ہے کہ ان اسباب میں ذاتی طور پر قوت ہے، یہ بات غلط ہے، اسباب میں طاقت اللہ تعالیٰ پیدا فرماتے ہیں۔

چھری اسی وقت کاٹنے کا کام کرے گی جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا۔

آگ اسی وقت جلائے گی جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں ہم نے دیکھ لیا کہ بڑی آگ اور تیز چھری اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کرسکی۔

تکبیرِ تشریق

اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت سے ایک مینڈھا – جو سینگ والا تھا – لے کر تشریف لائے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ

السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سب نے تکبیر کہی، خود مینڈھے نے بھی تکبیر کہی اور اب یہ تکبیرِ تشریق سب کے لیے ہوگئی، خاص کر ذی الحجہ کی نو (۹) تاریخ کی فجر کی نماز سے تیرہ (۱۳) تاریخ کی عصر تک تیئیس (۲۳) نمازوں کے بعد تکبیرِ تشریق پڑھنی ہے۔

عورتیں آہستہ آواز سے پڑھیں، مرد زور سے پڑھیں، چاہے اکیلے نماز پڑھیں چاہے جماعت سے پڑھیں، اگر رکعت چھوٹ گئی ہو تو سلام پھیرنے کے بعد پڑھیں۔

خلاصہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو حکم ہوا تھا انھوں نے پورا کر کے دکھایا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے جنتی جانور کی قربانی ہوئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان پورا ہوا اور وہ کامیاب ہو گئے۔

جنتی جانور

بعض تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ: حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے حضرت ہابیل ؑ نے جس جانور کی قربانی کی تھی وہ جانور جنت میں اتنی صدیوں سے چر رہا تھا اور چر کر فربہ (موٹا) ہو گیا تھا، وہی جانور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا اور اس کی قربانی کی گئی۔

اب یہ قربانی امتِ محمد یہ کے لیے بھی واجب ہوگئی۔

خیر! وہ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ پر جنت کا ایک جانور ذبح ہوا؛ لیکن ایک بیٹے کے دل میں اپنی ماں کے بارے میں بھی کیسے کیسے جذبات ہوا کرتے تھے؟ یہ پاکیزہ قصہ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں آیا ہے۔

کمر پر پٹہ باندھنے کی شروعات

اس قصے کی اور ایک بات بتلاؤں، بخاری ہی کی حدیث میں آئی ہوئی بات ہے کہ عورتیں اپنی کمر پر پٹہ باندھتی ہیں، اس کی الگ الگ شکل ہے: بیلٹ کی شکل میں یا کوئی اور شکل میں تو کمر پر پٹہ، کمر بند باندھنے کی شروعات حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی ہے۔

کمر پر پٹہ باندھنے کی ایک وجہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرانی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نئی بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی جب ان بن ہونے لگی تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ماں سارہ رضی اللہ عنہا کے غصے سے بچنے کے لیے تیز تیز چل کر کہیں چلی جاتی تھی، اس وقت انھوں نے اپنی کمر پر پٹہ باندھا؛ تا کہ اس کی وجہ سے تیز چل سکے۔

کمر پر پٹہ باندھنے کی دوسری وجہ

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اپنی کمر پر لمبا کپڑا باندھتی تھی، ایک طرف کا حصہ کمر کے ساتھ اور دوسری طرف والا حصہ زمین پر لٹکتا رہتا-اس زمانے میں چوں کہ پکے راستے نہیں ہوا کرتے تھے، ریت ہوتی تھی، جب آدمی ریت اور مٹی میں چلتا ہے تو قدم کے نشان پڑ جاتے ہیں اور قدم کے نشان کے ذریعے کسی کو ڈھونڈنا اور پہچاننا بہت آسان ہو جاتا ہے- ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا بہت ہوشیار تھی؛ چوں کہ وہ ایک بادشاہ کی بیٹی تھی؛ اس لیے انھوں نے یہ ترکیب کی؛ تا کہ

کپڑے کے دوسرے حصے سے قدم کے نشانات مٹ جائیں اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ان کو تلاش نہ کر سکے۔

یہ پورا قصہ قرآن میں بھی ہے اور حدیث شریف میں بھی ہے وہ آپ کی خدمت میں سنایا۔

ماں سارہ رضی اللہ عنہا کا دوسرا قصہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو پہلی اور پرانی بیوی تھی یعنی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا یہ بھی بہت نیک اور بڑی اللہ والی خاتون تھی جن کا قصہ خطباتِ محمود کے چوتھے حصے میں چھپا ہوا موجود ہے، ان کا ایک دوسرا قصہ جو قرآن میں آیا ہے وہ میں آپ کو سناتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ سورۂ ہود میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ جَاءَ تْ رُسُلُنَا اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰماً، قَالَ سَلٰمٌ فَمَالَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ، فَلَمَّا رَاٰ أَيْدِيَهُمْ لَاتَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً، قَالُوْا لَاتَخَفْ اِنَّا أُرْسِلْنَا اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ، وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحَاقَ وَمِنْ وَّرَاءِ اِسْحَاقَ يَعْقُوْبَ، قَالَتْ يٰوَيْلَتىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ، قَالُوْا أَتَعْجَبِيْنَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ، اِنَّهُ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَاءَ تْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ، اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ. (ہود: ۶۹ تا ۷۵)

ترجمہ: اور پکی بات یہ ہے کہ ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم (علیہ

السلام) کے پاس (انسانی شکل میں بیٹا پیدا ہونے کی) خوش خبری لے کر کے آئے تو ان (فرشتوں) نے آ کر کے کہا کہ: سلام، تو (ابراہیم علیہ السلام نے بھی) جواب میں کہا: سلام، سو (ابراہیم علیہ السلام نے) دیر نہیں لگائی کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔

سو جب (ابراہیم علیہ السلام نے) ان آنے والوں کے ہاتھوں کو دیکھا کہ اس (بھنے ہوئے بچھڑے) کی طرف بڑھتے نہیں ہیں تو انھوں نے (ابراہیم علیہ السلام نے) ان کو اجنبی سمجھا اور وہ (ابراہیم علیہ السلام) ان کی وجہ سے دل میں ڈر گئے تو اس پر وہ (آنے والے) کہنے لگے: (ابراہیم!) تو مت گھبرا، یقیناً ہم لوگ لوط (علیہ السلام) کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

اور ان (ابراہیم علیہ السلام) کی بیوی (سارہ) کھڑی ہوئی تھی، سو (ان باتوں کو سن کر) ہنس پڑی تو پھر ہم نے اس عورت کو اسحاق کی (پیدائش کی) خوش خبری دی اور اسحاق کے بعد یعقوب (پوتے کی پیدائش) کی خوش خبری دی۔

تو وہ عورت بولی: ہائے! کیا مجھ کو بچہ ہوگا؟؛ حالاں کہ میں تو بوڑھی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بالکل بوڑھے ہو چکے ہیں، یقیناً یہ تو ایک بڑی تعجب کی چیز ہے۔ تو وہ (آنے والے مہمان فرشتے) کہنے لگے: کیا تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کرتی ہو؟ اے (ابراہیم کے) گھر والو! تم پر تو (خاص) اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں، یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) تمام تعریف والے ہیں، بڑی شان والے ہیں۔

سو جب (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کی گھبراہٹ دور ہوگئی اور ان کو خوش خبری مل گئی تو وہ لوط (علیہ السلام) کی قوم کے بارے میں ہم سے بحث کرنے لگے۔ یقیناً

ابراہیم (علیہ السلام) تو بڑے حلیم تھے، بڑے نرم دل تھے، انابت کرنے والے تھے۔

اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی ماں سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قصہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

وفادار بیوی

آپ کو جیسا کہ بتایا تھا کہ ماں سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ وفادار بیوی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کا عراق میں نکاح ہوا تھا اور ابراہیم علیہ السلام کو جب عراق والوں نے نکالا، اور آپ نے ہجرت کی تو ماں سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ہجرت میں آپ کے ساتھ تھی۔

مصر جا کر ماں سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنی عزت بچائی اور مصر کے بادشاہ کے برے ارادے سے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی، پھر وہاں سے وہ فلسطین چلے گئے اور بیت المقدس کے قریب حبرون شہر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ماں سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑے مزے سے زندگی گزارنے لگے، ماں سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر تقریباً ستتر (۷۷) سال کی ہوگئی تھیں؛ لیکن ان کے گھر میں اولاد نہیں تھیں اور ماں ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں اولاد ہوگئی تھیں۔

فرشتے مہمان کی شکل میں

ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں تھے کہ تین مہمان آئے۔

یہ مہمان کون تھے؟

یہ آنے والے مہمان انسان کی شکل میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے تھے۔

کون فرشتے؟

حضرت جبرئیل علیہ السلام۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام۔

حضرت میکائیل علیہ السلام۔

اس دنیا میں سب سے پہلے مہمان نوازی کرنے والے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عادت تھی کہ وہ بڑے مہمان نواز تھے، کبھی بھی مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے، مہمان نوازی کی شروعات اس دنیا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی ہے۔

مہمان نوازی کا عجیب قصہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھانے کا وقت ہوا، کوئی مہمان ان کے گھر نہیں تھا تو آپ مہمان کو تلاش کرنے نکلے۔

دیکھو! کیسے اللہ کے نبی تھے کہ مہمان کو تلاش کرنے کے لیے نکلتے ہیں۔

آج تو ہمارے یہاں مہمان آتے ہیں تو دعا کرتے ہیں کہ کب جلدی جاوے۔

راستے میں ایک اجنبی آدمی ملا جس کو پہنچانتے نہیں تھے، اس کو لے کر لائے کہ میرے گھر کھانے کے واسطے چلو، اس کو دسترخوان پر بٹھایا، جب کھانا شروع ہوا تو حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے اس مہمان کو کہا کہ ''بسم اللہ'' پڑھو اور ''بسم اللہ'' پڑھ کر کھانا کھاؤ۔

اس نے کہا کہ: میں تو ''بسم اللہ'' جانتا نہیں ہوں، یہ اللہ کون ہیں، کیا ہے؟ میں نہیں جانتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت غصہ آیا اور اس مہمان کو دستر خوان سے اٹھا دیا، جب وہ مہمان اٹھ کر باہر چلا گیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کتنے مہربان ہیں

تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان سے آئے اور کہنے لگے کہ:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: یہ آدمی جو اللہ کو جانتا نہیں ہے، اللہ کا نام پڑھنے کو تیار نہیں ہے، یہ کافر ہے اس کے باوجود ہم اس کو پوری زندگی کھانا کھلاتے رہے، ایک لقمہ دینے میں بھی ہم نے بخیلی نہیں کی اور آج صرف ایک دن تم اس کو نہیں کھلا سکے؟

میری دینی بہنو! اللہ تعالیٰ کتنے مہربان ہیں کہ ایک کافر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دستر خوان سے اٹھا دیا تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو آسمان سے بھیجا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دوڑے اور اس بوڑھے میاں کو سمجھا بجھا کر لائے اور کھانے کے لیے بٹھایا۔

اس بوڑھے آدمی نے سوال کیا کہ: آپ نے تو مجھے اٹھا دیا تھا، پھر کیوں مجھے آپ بلانے آئے؟ بتلاؤ! جب آپ بتلاؤ گے تو ہی میں کھانا کھاؤں گا؛ ورنہ نہیں کھاؤں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ: جب میں نے تجھے کھانے سے اٹھا کر روانہ کر دیا تو میرے اللہ نے میرے پاس فرشتے کو بھیجا اور کہا کہ: اے ابراہیم! یہ کافر

بندہ ہے، پھر بھی ہم نے اس کو پوری زندگی کھلایا ہے اور آج صرف ایک دن تم اس کو نہیں کھلا سکے؟ اللہ اکبر!

ایسے مہربان اللہ کا میں کیسے انکار کروں؟

وہ کہنے لگا کہ: میرے اللہ کتنے کریم ہیں؟ کہ جس نے کفر کے باوجود پوری زندگی مجھ کو کھلایا اور جب نبی نے مجھے بسم اللہ نہ پڑھنے کی وجہ سے اٹھا دیا تو نبی کو میرے پیچھے دوڑایا اور نبی نے آ کر مجھے پھر کھلایا تو میں اس اللہ پر ایمان لانے کے لیے تیار ہوں، چنانچہ وہ بوڑھے میاں اسی وقت مسلمان ہو گئے اور بسم اللہ پڑھ کر انھوں نے کھانا کھایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مہمانوں کے لیے بچھڑا ذبح کرنا

خیر! ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں تین مہمان آئے تو جیسے ہی مہمان آئے حضرت ابراہیم علیہ السلام فوراً اٹھے اور مہمانوں کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور کھانے بٹھا دیا، یہ آنے والے مہمان انسان کی شکل میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے تھے اور قرآن میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جلدی جلدی ایک بچھڑا ذبح کیا اور اس کو بھونا اور مہمان کے سامنے لا کر رکھ دیا اور مہمان کو کہا کہ: کھاؤ۔

عجیب مہمان

یہ مہمان عجیب تھے، کھانا نہیں کھاتے، مہمان کے ہاتھ میں تیر تھے وہ تیر تو گوشت پر لگاتے ہیں؛ لیکن کھاتے نہیں ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دل میں ڈر ہو گیا، گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔

اس زمانے کا عجیب رواج

یہ گھبراہٹ اس لیے ہوئی کہ اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ کوئی کسی کو مارنے جاتا، کوئی کسی کو تکلیف دینے جاتا تو اس کے گھر کا کھانا اور پانی پینا وہ لوگ پسند نہیں کرتے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈر ہوا کہ یہ کوئی خطرناک مہمان تو نہیں ہے۔

پہلے قیمت لے لو تو ہم کھانا کھائیں گے

بعض روایتوں میں ہے کہ ان تینوں مہمانوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اصرار کیا کہ کھانا کھالو۔

مہمان کہنے لگے کہ: ہم مفت کا کھانا نہیں کھاتے، آپ پہلے قیمت لے لو تو ہم کھانا کھائیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! اس کھانے کی ایک قیمت ہے۔

مہمان نے پوچھا کہ: کیا قیمت دینی پڑے گی؟ ہم فوراً ادا کردیں گے۔

کھانے کی عجیب قیمت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ: اس کی قیمت یہ ہے کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے اللہ کا نام پڑھو اور کھانا کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر ادا کرو۔

اللہ تعالیٰ کا خلیل بننے کا آسان نسخہ

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے دونوں ساتھی فرشتے حضرت اسرافیل

علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام سے کہا کہ: دیکھو! یہ بات ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل اور دوست بنایا ہے۔

اس لیے میری دینی بہنو! کھانے سے پہلے بھی اللہ کا نام پڑھنا چاہیے، اپنے بچوں سے بھی کھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام پڑھانا چاہیے اور کھانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، یہ ہم کو تعلیم دی گئی ہے۔

کھانے کی دعائیں

حدیث میں کھانے کے بعد کی بہت ساری دعائیں بتلائی گئی ہیں۔

کھانے سے پہلے کم سے کم ''بسم اللہ'' پڑھ لو۔

یا ''بسم الله الرحمن الرحيم'' پڑھ لو۔

یا ''بسم الله و بركة الله'' پڑھ لو۔(المعجم الأوسط به حواله سنن وآداب: ۹۲)

اور کھانے کے بعد یہ دعا پڑھو:

الحمد لله الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمين. (سنن وآداب: ۹۶)

''ایسڈیٹی'' (ACIDITY) کی بیماری سے حفاظت کے لیے دعا

دوسری دعا بھی حدیث میں آئی ہے:

الحمد لله الذي أَطْعَمَ وَسَقىٰ وَسَوَّغَه وَجَعَلَ لَهُ مَخْرَجًا. (ایضاً)

یہ دعا یقین کے ساتھ پڑھیں گے تو ان شاء اللہ ''ایسڈیٹی'' کی بیماری نہیں ہوگی۔

تیسری دعا بھی حدیث میں آئی ہے:

الحمدُ للّٰہ حمدا کثیرا طیبامبارکافیہ ومبارکاعلیہ کمایحب ربناویرضیٰ.

اور ایک دعا یہ آئی ہے:

اللّٰھم بَارِکْ لنافیہ وأَطْعِمْناخیرا منہ. (ایضا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمیں سکھلا دیا کہ کھانے سے پہلے بھی اور کھانے کے بعد بھی ہمیں دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔

جب مہمان کھانہیں رہے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈر لگا اور تعجب بھی ہوا، ان کی بیوی ماں سارہ رضی اللہ عنہا دروازے کے پیچھے کھڑی تھی، وہ بھی مہمانوں کی خدمت کر رہی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ: آپ کیوں نہیں کھاتے ہو؟

بڑھاپے میں اولاد کی خوش خبری

انھوں نے کہا کہ: اے ابراہیم! آپ گھبرایئے نہیں، ہم اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں اور فرشتے کھانا نہیں کھاتے ہیں، پھر کہا کہ: ہم تو آپ کے گھر ایک بہت بڑی خوش خبری لے کر آئے ہیں کہ: آپ کی یہ جو پہلی بیوی ہے، جو بوڑھی ہو چکی ہے اس سے اللہ تعالیٰ آپ کو اولاد عطا فرمائیں گے۔

خدا کی عجیب شان

دیکھو! خدا کی قدرت! نئی بیوی کو پہلے اولاد ہوئی اور پرانی بیوی کو بعد میں

اولاد ہوئی۔

اولاد کی خوش خبری، وہ بھی بڑھاپے میں!

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سارہ رضی اللہ عنہا بہت خوش ہو گئے؛ اس لیے کہ کئی دن سے دعا مانگ رہے تھے:

رب هب لي من الصالحين.

اے اللہ ہم کو نیک اولاد عطا فرمایئے۔

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کر لی اور ایسی دعا قبول کی میری دینی بہنو!

(۱) ایک تو بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ نے اولاد عطا کی۔

(۲) اولاد میں بھی بیٹا عطا فرمایا اور بیٹے سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

(۳) جو بیٹا پیدا ہو گا اس کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اس بیٹے کا نام اسحاق رکھنا۔

(۴) فرشتوں نے یہ بھی بتلا دیا کہ تمھارا بیٹا لمبی عمر والا ہو گا، اس کی اتنی لمبی عمر ہو گی اس کے یہاں بھی بیٹا یعنی تمھارا پوتا ہو گا۔

(۵) اور یہ بھی بتلا دیا کہ تمھارے گھر میں جب پوتا آوے تو اس کا نام یعقوب رکھنا۔

مہمان سے بھی پردہ کرنا چاہیے

جب یہ اولاد کی بات سنی تو پہلے ماں سارہ رضی اللہ عنہا دروازے کے پیچھے تھی؛ لیکن جب پتہ چل گیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں اور فرشتوں سے پردہ نہیں ہوتا تو

فوراً سامنے آ گئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنے والے مہمان سے بھی ہمیں پردہ کرنا چاہیے، مہمان کے سامنے بے پردگی نہ ہو، مہمان کے ساتھ تنہائی میں نہ رہیں۔

ماں سارہ رضی اللہ عنہا کا تعجب سے ہنسنا

اور ماں سارہ رضی اللہ عنہا سامنے آ کر ہنس پڑی، خود قرآن میں ہے:

وامرأته قائمة فضحكت.

ترجمہ: اوران کی بیوی (سارہ) کھڑی ہوئی تھی، سو ہنس پڑی۔

اور یہ ہنسنا اس بات پر ہوا کہ اس بڑھاپے میں اولاد آئے گی اور تعجب کرتے ہوئے کہنے لگی:

قَالَتْ يٰوَيْلَتىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذا بَعْلِي شَيْخًا اِنَّ هٰذا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ.

ماں سارہ رضی اللہ عنہا کہنے لگی کہ ارے ہائے ہائے! میں تو بوڑھی عورت، میرے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ بھی بوڑھے ہو گئے پھر ہمارے گھر میں کیسے بچہ ہوگا؟ یہ تو بہت تعجب کی بات ہے!

فرشتوں نے کہا:

قَالُوْا أَتَعْجَبِيْنَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ.

اے سارہ! اللہ تعالیٰ کے معاملے میں تعجب کرتی ہو؟ تم تو اللہ کے نبی کی بیوی ہو اور نبی کے گھر میں ایسی نئی نئی چیزیں اور معجزات رات دن ہوتے رہتے ہیں، اس میں کیا تعجب!!!

حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش

بس فرشتوں نے خوش خبری سنائی اور تھوڑے ہی دن میں ماں سارہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے، حضرت اسحاق علیہ السلام کی عمر بڑی ہوئی اور ان کے ذریعے سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے ذریعے سے حضرت یوسف علیہ السلام پیدا ہوئے، یہ پورا نبیوں کا خاندان ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے ان سے بنو اسرائیل کا خاندان چلا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بیوی ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

فلسطین میں حبرون نامی ایک شہر ہے، وہاں ایک مسجد ہے، اس کا نام مسجد الخلیل ہے، وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر ہے، اس کے پاس ماں سارہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے، تھوڑا آگے حضرت اسحاق علیہ السلام کی قبر ہے، اس کے پاس حضرت اسحاق علیہ السلام کی بیوی کی قبر ہے۔

اس مسجد کی زیارت کی سعادت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حاصل ہوئی ہے اور الحمد للہ! وہاں میں نے ظہر کی نماز بھی پڑھی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ماں سارہ رضی اللہ عنہا کے اس قصے سے ہم کو ایک نصیحت یہ ملی کہ:

مہمان جب آئے تو ان کا اکرام کرنا چاہیے، مہمان کے آتے ہی گھر میں جو چیز بھی تیار ہو پہلی فرصت میں کھلا دینی چاہیے؛ اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ مہمان بھوکے ہوں، سفر سے آئے ہو، پھر بعد میں دوسری چیز تیار کر کے اپنی حیثیت کے مطابق کھلانی چاہیے۔

اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مہمان کے لیے کھانا پکانے میں زیادہ تکلف نہیں کرنا چاہیے۔

دیکھو! حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ماں سارہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جانور تھے تو انھوں نے جانور ذبح کر کے فوراً اس کو بھون کر کے مہمان کے سامنے رکھ دیا۔

آج مہمانوں کے کھانا پکانے کے تکلفات میں ہم اپنا اتنا وقت برباد کرتے ہیں کہ نمازیں بھی چھوٹ جاتی ہیں، تلاوت بھی کم ہو جاتی ہے، یہ چیز مناسب نہیں ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے نبیوں سے ہم کو محبت عطا فرمائے اور نبیوں کے ان واقعات میں، نبیوں کی بیویوں کے واقعات میں جو نصائح اور اسباق ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سیکھنے کی اور ان پر عمل کرنے کی ہم سب کو توفیق اور سعادت نصیب فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

وصلى الله على النبي الكريم.